فلسطین سے مصر پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یلغار

(19ھ / 640ء)

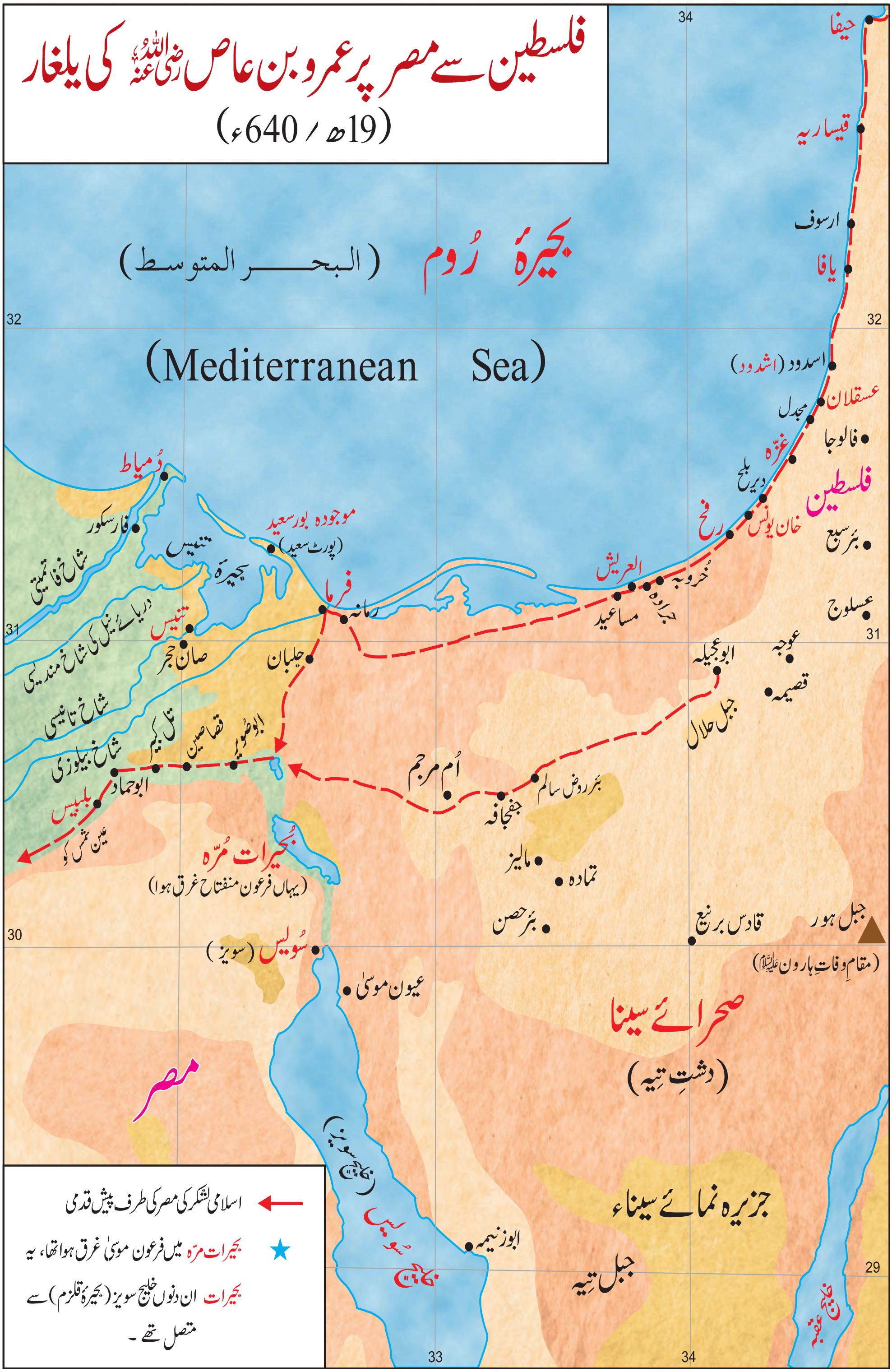

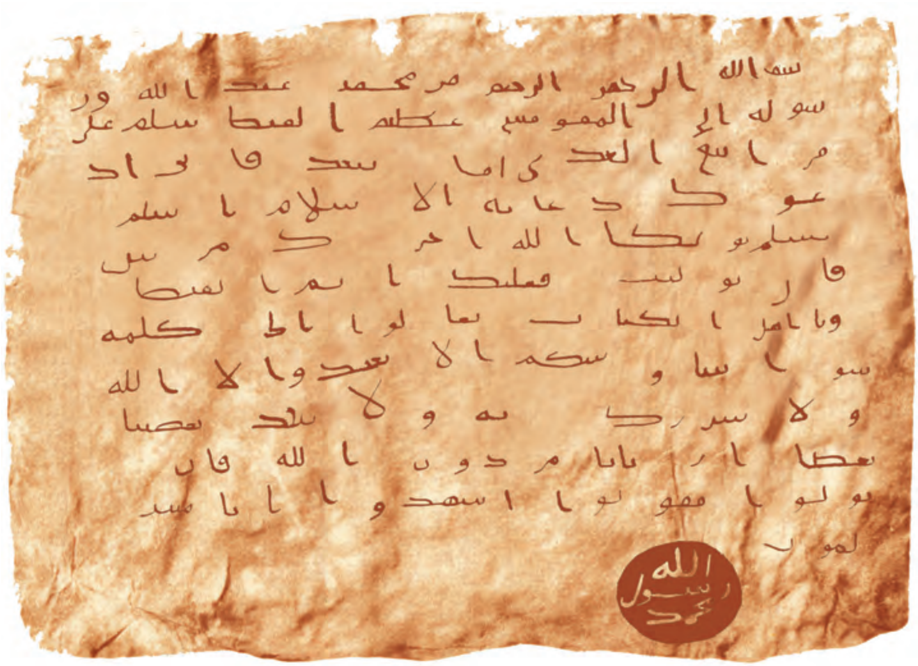

نبی ﷺ کا مقوقس کے نام خط

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله و رسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فإني أدعوك دعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم القبط و يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا تعبدوا إلا الله ولا تشركوا به ولا يتخذ بعضنا بعضًا أربابًا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون.

مسلمان مصر میں ساحلی علاقے سے داخل ہوئے۔ وہ عریش سے گزر کر فرما پہنچے جو مشرقی مصر میں رومیوں کا ایک اہم فوجی مقام تھا۔ وہاں ایک مہینے تک رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر کار مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد مسلمان بلبیس کی طرف بڑھے۔ اسے بھی تقریباً ایک ماہ کی جنگ کے بعد فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے متعدد رومی مقامات اور قلعے فتح کیے حتی کہ بابلیون کے قلعے تک پہنچ گئے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے گرد پانی سے بھری ہوئی خندقیں تھیں۔ مسلمانوں نے کئی مہینے اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن وہ فتح نہ ہوسکا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کمک کے لیے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ آپ نے دس ہزار

افراد پر مشتمل امدادی فوج روانہ کی جس کی قیادت سیدنا زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھی۔ [1]

مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ ان کے اور رومیوں کے ایلچی آتے جاتے رہے۔ اس کے علاوہ مصر میں رومیوں کے مقرر کردہ بادشاہ مقوقس نے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ افراد بھیجے جو کئی دن مسلمانوں کے لشکر میں ٹھہرے رہے۔ جب وہ واپس گئے تو مقوقس نے ان سے پوچھا: ''تم نے مسلمانوں کو کیسا پایا؟'' انھوں نے کہا: ''ہم نے دیکھا ہے کہ انھیں زندگی سے زیادہ موت سے پیار ہے اور برتری کے اظہار کے بجائے وہ تواضع پسند ہیں۔ انھیں دنیا کی رغبت ہے نہ خواہش۔ وہ خاک پر بیٹھ جاتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا امیر ایک عام آدمی کی طرح رہتا ہے۔ ان کے اعلیٰ و ادنیٰ میں اور آقا اور غلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہتا۔ وہ پانی سے ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے ہیں۔'' مقوقس نے کہا: ''یہ لوگ پہاڑوں کی طرف جائیں تو انھیں بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے۔'' [2]

---

[1] تاريخ الطبري: 227/4، و الكامل: 564/2، و المواعظ والاعتبار: 290/1. [2] النجوم الزاهرة لابن تغري بردي، و المواعظ والاعتبار للمقريزي: 290/1.

مسجد سلطان حسن (قاہرہ)

قاہرہ میں رومی دور کے قبطی مسیحی گرجے کی باقیات

مقوقس نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ مذاکرات کے لیے اپنا وفد بھیجیں۔ مسلمانوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد بھیج دیا۔ وفد نے مقوقس سے ملاقات کی اور ان میں بات چیت ہوتی رہی۔ مقوقس نے رومی افواج کی کثرت، مسلمانوں کی کمزوری اور ان کی تعداد اور اسلحے کی قلت کا ذکر کیا۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے شخص! خود کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکا نہ دے۔ تو ہمیں رومیوں کی کثرتِ تعداد سے ڈرانا چاہتا ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو ہمیں ان چیزوں سے نہیں ڈرا سکتا اور نہ اس طرح ہمارے عزم کو متزلزل کر سکتا ہے۔ اگر تمھاری بات درست ہے تو اس وجہ سے تم لوگوں سے جنگ کرنے کے ہمارے شوق میں اضافہ ہی ہوا ہے کیونکہ جب (شہید ہو کر) ہم رب کے پاس جائیں گے تو ہمارے پاس عذر موجود ہوگا (کہ ہم نے اپنی جدوجہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی)۔ اگر ہم سب کے سب شہید ہو جائیں تو اس کی وجہ سے ہمیں اللہ کی خوشنودی اور اس کی جنت کی زیادہ امید ہوگی۔ اس (شہادت) سے زیادہ کوئی چیز ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی اور محبوب نہیں۔ اور اس (جہاد) کی وجہ سے اگر ہم نے تم پر فتح حاصل کی تو ہمیں دنیا کی غنیمت ملے گی اور اگر تم نے ہم پر فتح پالی تو ہمیں آخرت کی غنیمت

ملے گی جو ہمیں ہماری اس جدوجہد کے بعد زیادہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب میں فرمایا:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

’’کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘ (البقرۃ 2:249)

ہم میں سے ہر شخص اپنے رب سے صبح و شام یہ دعا کرتا ہے کہ وہ اسے شہادت سے سرفراز فرمائے اور اسے اپنے وطن اور اہل و عیال میں واپس نہ لے جائے۔ ہم میں سے کسی کو بھی پیچھے (اہل و عیال) کی فکر نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے بیوی بچوں کو اللہ کے سپرد کر چکا ہے۔ ہمیں تو آگے (قیامت اور جنت) کی فکر ہے۔‘‘ [1]

مقوقس کو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی باتیں اچھی لگیں۔ اسے احساس ہوگیا کہ مسلمان قوی ہیں اور انھیں اللہ کی مدد حاصل ہے، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ ان سے صلح کر لے اور جزیہ دینا قبول کر لے لیکن رومیوں نے انکار کر دیا۔ قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، پھر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے بہادر مسلمان سیڑھیاں لگا کر قلعے کی فصیلوں پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے۔ اوپر پہنچ کر انھوں نے اللہ اکبر کہا۔ ان کے ساتھ قلعے کے باہر موجود مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سے دشمنوں پر گھبراہٹ طاری ہوگئی، پھر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ قلعے کے اندر اتر گئے اور مسلمانوں کے لیے قلعے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوگئے، چنانچہ اندر کے رومیوں نے فوراً مسلمانوں سے صلح کر لی اور ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرنے کا اعلان اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا۔ اس قلعے پر قبضہ ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر کا اکثر حصہ مسلمانوں کے زیرنگیں ہوگیا اور وہ اس کے وسطی اور جنوبی حصے پر قابض ہوگئے۔ [2]

---

[1] المواعظ والاعتبار: 291/1. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 143، و فتوح البلدان: 216، و تاريخ الطبري: 230/4.

اسکندریہ (مصر) کا قلعہ

اسکندریہ کی فتح (21ھ)

اسکندریہ مصر کے سب سے بڑے شہروں میں سے ایک تھا۔ وہ جنوب کی طرف سے فصیلوں کی وجہ سے محفوظ تھا اور شمال کی طرف سے اسے سمندر نے محفوظ بنا دیا تھا۔ یہاں رومیوں کی اچھی بھلی تعداد مقیم تھی جن میں جنگجو افراد کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ بابلیون کا قلعہ فتح ہونے کے بعد مسلمانوں کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل گیا تھا، چنانچہ مسلمان شمال کی سمت میں اس شہر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس پیش قدمی کے دوران میں انھیں رومیوں کے بڑے بڑے لشکروں کا مقابلہ کرنا پڑا جنھوں نے مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر انھیں اسکندریہ پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ ان سے مسلمانوں کی کئی لڑائیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انھوں نے پیش قدمی جاری رکھی حتی کہ اسکندریہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ انھوں

اسکندریہ کی بندرگاہ

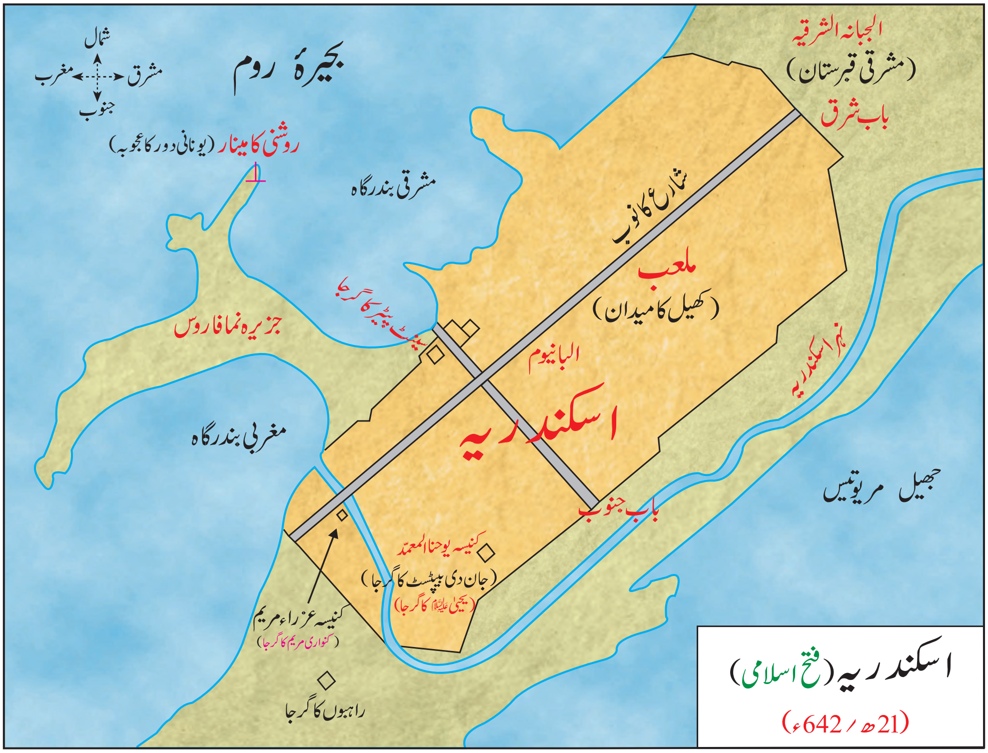

اسکندریہ (فتح اسلامی)
(21ھ / 642ء)

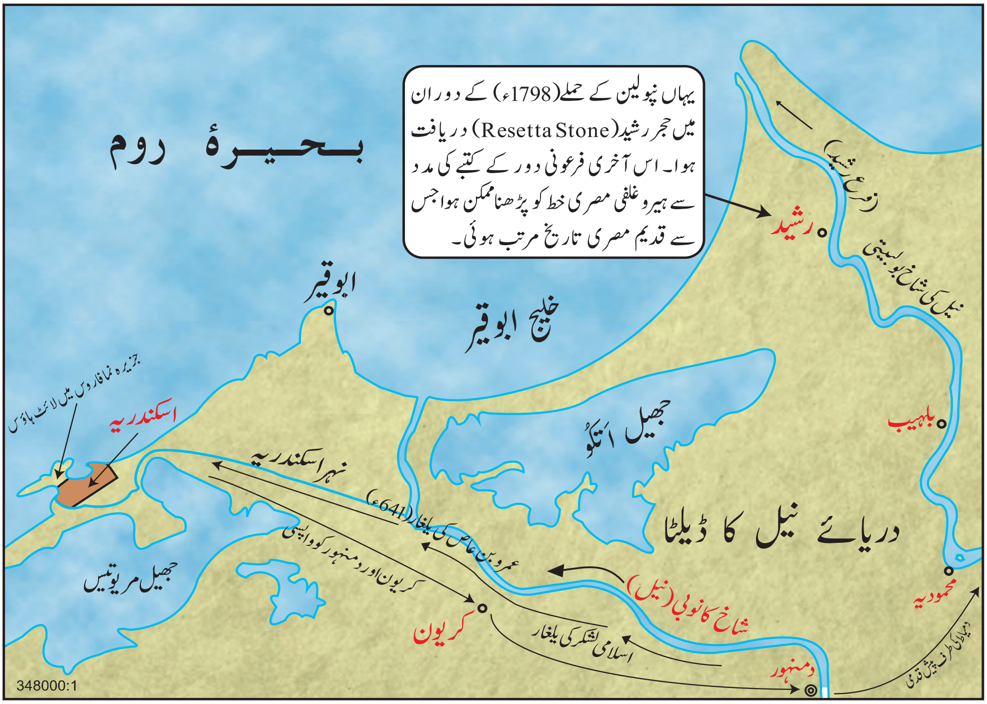

اسکندریہ (مصر) پر اسلامی یلغار (20ھ/641ء)

نے چار مہینے اس شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس دوران میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ محاصرے کی پوری مدت کے دوران میں رومی بحری جہاز بحیرۂ روم کی طرف سے اسکندریہ والوں کو اسلحہ اور افرادی قوت مہیا کرتے رہے۔ [1]

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی فتح میں معمول سے زیادہ تاخیر ہوتی محسوس ہوئی تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا۔ اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھاری فتح کی تاخیر پر مجھے تعجب ہے۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ تمھاری (قلبی) کیفیت بدل گی ہے۔ جس طرح تمھارے دشمن دنیا سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اسی طرح کرنے لگے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی مدد نہیں کرتا جب تک اس کی نیت درست نہ ہو۔ میں نے آپ کے پاس چار مرد بھیجے تھے اور آپ کو بتایا تھا کہ میرے علم کے مطابق ان میں سے ہر مرد ایک ہزار افراد کے برابر ہے، الّا یہ کہ ان میں بھی وہی تبدیلی آجائے جو دوسروں میں آگئی ہے (تب وہ ہزار ہزار کے برابر نہیں ہوں گے)۔ جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو مجاہدین سے خطاب کیجیے۔ انھیں دشمن سے جنگ کا شوق دلایئے، ثابت قدمی اور حسنِ نیت کی ترغیب دیجیے۔ ان چار حضرات کو لوگوں کے سامنے کیجیے اور سب لوگوں کو حکم دیجیے کہ وہ متحد ہو کر دشمن سے ٹکرا جائیں۔ یہ کام جمعے کے دن سورج ڈھلنے کے وقت کیجیے کیونکہ اس وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دشمن کے خلاف مدد مانگیں۔''

جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا تو انھوں نے سب کو پڑھ کر سنایا، پھر ان چار حضرات کو بلا کر لوگوں کے آگے کھڑا کیا اور مجاہدین کو حکم دیا کہ وضو کر کے نماز پڑھیں اور دعائیں مانگیں، پھر آپ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ مسلمانوں نے رومی لشکر سے زبردست جنگ کی جس کے نتیجے میں وہ اسکندریہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد یہ پہلی فتح تھی۔ [2] انھوں نے وہاں کے باشندوں پر جزیہ عائد کیا اور اپنا قبضہ مضبوط کر لیا۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 218-222، و المواعظ والاعتبار: 166/1، و الکامل: 567/2. [2] احمد عادل کمال کی تحقیق کے مطابق محاصرۂ بابلیون کے دنوں میں مقوقس نے صلح کی پیشکش کی تھی اور پھر ذی قعدہ 20ھ/ نومبر 641ء میں اس شرط پر صلح ہوگئی تھی کہ گیارہ ماہ کے اندر رومیوں کو جزیہ کی ادائیگی پر اسکندریہ سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ مقوقس نے اس صلح نامے کا اپنی قوم کے سامنے اعلان نہیں کیا تھا۔ پھر جب مسلمانوں نے اسکندریہ کا جا محاصرہ کیا تو رومی منجنیقوں نے مسلمانوں پر سنگباری شروع کر دی، چنانچہ اسلامی فوج پیچھے ہٹ آئی تھی۔ اور پھر ذی قعدہ 21ھ/ اکتوبر 642ء میں (صلح نامہ مقوقس کے مطابق) ایک روز اچانک اہلِ شہر نے دیکھا کہ مسلمان اسکندریہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور پھر مقوقس کی فہمائش پر رومی جزیہ ادا کر کے شہر چھوڑ گئے۔ [اٹلس فتوحات اسلامیہ: 239] (م ف)

[3] المواعظ والاعتبار: 165/1، و الکامل: 567/2.

اسکندریہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے مصر کا باقی ماندہ علاقہ بھی فتح کر لیا۔ بالخصوص صعید (بالائی مصر) اور ڈیلٹا وغیرہ کے بعض مقامات فتح ہو گئے تو پورا مصر اسلامی سلطنت کے زیرنگیں آ گیا کیونکہ مصر کے ان شہروں نے اطاعت تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ [1]

اس کے بعد مسلمان طرابلس اور برقہ کی طرف بڑھے اور انھیں جنگ کے بغیر فتح کر لیا کیونکہ ان کے باشندوں نے جزیہ دینے کا وعدہ کر کے اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ مصر کے مغرب میں فتوحات جاری نہ رکھی جائیں کیونکہ آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مصر کے پہلے سے فتح کیے ہوئے علاقوں میں قدم اچھی طرح مضبوط ہو جائیں۔ [2]

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط:150، و فتوح البلدان:222، و المواعظ والاعتبار:165/1، و الکامل:567/2. [2] فتوح البلدان:219، و تاریخ الطبري:4/230-232، و الکامل:567/2، و تاریخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدین): 224.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے مسلمان عراق، ایران، الجزیرہ، بلادِ شام اور مصر فتح کرنے کے علاوہ شمالی افریقہ کا ایک حصہ فتح کر چکے تھے۔ فارس اور روم کی حکومتیں ابھی قائم تھیں اور ان کی کوشش تھی کہ مسلمان جو علاقے فتح کر چکے ہیں، ان سے واپس لے لیے جائیں، اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری تھا کہ ان فتوحات کی حفاظت کے لیے زبردست جدوجہد کریں اور ساتھ ہی نئے علاقے فتح کرنے کی کوشش کریں۔

① افریقہ کی فتوحات (27ھ)

مصر اور شمالی افریقہ رومی سلطنت کے قبضے میں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا تھا اور شمالی افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

اسکندریہ کی بغاوت

خلافتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں رومیوں نے مسلمانوں کو مصر سے نکالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے 25ھ میں اسکندریہ پر سمندر کی طرف سے حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو شہید کر دیا اور اسے دوبارہ محفوظ بنانے کے لیے وہاں اپنی فوجیں متعین کرنے لگے تاکہ جنوب کی طرف مسلمانوں پر حملہ کریں لیکن مسلمانوں نے انھیں اس کا موقع نہ دیا بلکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان

کے تیار ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی فوج لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور راستے میں کئی لڑائیاں لڑنے کے بعد اسکندریہ پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان پوری قوت کے ساتھ شہر میں داخل ہوگئے۔ انھوں نے اس کے انتظامات کو دوبارہ درست کیا اور اس پر قبضہ مستحکم کر لیا۔ یہ شہر ان کا مرکز بن گیا جہاں سے شمالی افریقہ کی فتوحات کے لیے لشکر روانہ ہونے لگے۔ [1]

27ھ میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ کے علاقے فتح کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور امدادی لشکر روانہ فرمایا جس میں سیدنا حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اسلامی افواج لے کر روانہ ہوئے حتی کہ برقہ پہنچ گئے، پھر وہاں سے طرابلس پہنچے۔ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہوگئے۔ مسلمان انھیں چھوڑ کر اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھے جو رومیوں نے تیار کر رکھا تھا۔ اس کا کمانڈر

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 158، و فتوح مصر و أخبارها: 175، و المواعظ والاعتبار: 299.

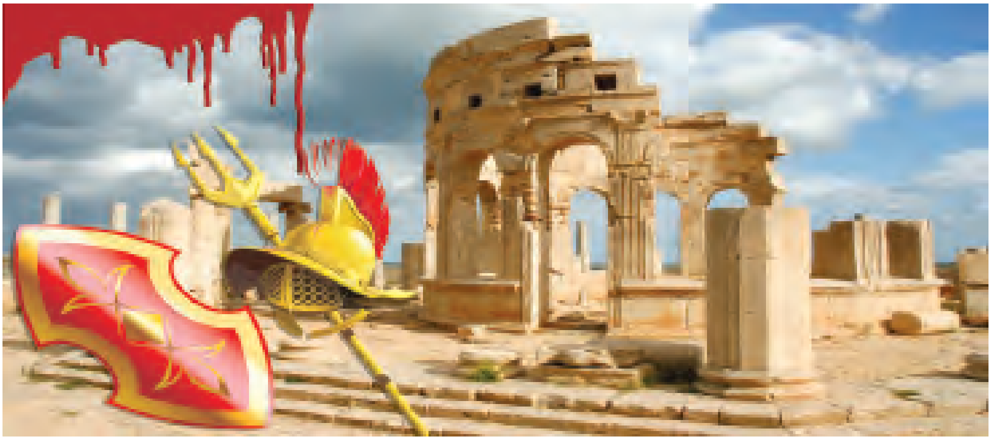

”گریگوری“ تھا اور اس کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے ان سے کئی جنگیں لڑیں جن میں کسی فریق کو فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہو سکی۔ تب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ دن بھر جنگ کرتا رہے۔ جب رومی تھک جائیں اور مسلمانوں کی وہ آدھی فوج بھی تھک جائے جو جنگ میں مشغول رہی ہے، تو وہ آرام کے لیے پیچھے ہٹ جائے اور مسلمانوں کی فوج کا دوسرا نصف حصہ رومیوں پر اچانک حملہ کر دے۔ وہ اس وقت تھکے ہوئے ہوں گے اور جنگ کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ تازہ دم فوج ان سے جنگ جاری رکھے۔ یہ منصوبہ کامیاب رہا اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے رومی کمانڈر گریگوری کو قتل کر دیا، چنانچہ وہ شکست کھا گئے۔ [1] جب قریبی شہروں کے سرداروں نے مسلمانوں کو فتح یاب ہوتے دیکھا تو وہ اس بات پر رضا مند ہو گئے کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے اور اس کے عوض مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس طرح شمالی افریقہ کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ خاص طور پر وہ علاقہ بھی مسلمانوں کو مل گیا جسے آج کل لیبیا کہا جاتا ہے۔ [2] [3]

---

[1] جنگِ سبعہ عبادلہ: گریگوری (جرجیر) سے سبیطلہ (تیونس) کے مقام پر جو جنگ ہوئی تھی، اس جنگ میں عبداللہ نامی سات صحابی شریک ہوئے تھے، لہٰذا اسے جنگ سبعہ عبادلہ کہا جاتا ہے۔ ان صحابہ کے نام یہ ہیں: عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (م ف)

[2] مصری مؤرخ احمد عادل کمال ”اطلس الفتوحات الاسلامیہ“ میں لکھتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 23ھ / 644ء میں اسکندریہ سے پیش قدمی کر کے لیبیا کے علاقے برقہ، فزان، زویلہ، سرت، طرابلس، صبراتہ اور ودان فتح کر لیے تھے اور اس کے بعد اپنے صدر مقام فسطاط (مصر) لوٹ آئے تھے۔ پھر خلافتِ عثمانی میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے مصر اور طرابلس سے پیش قدمی کر کے سبخہ (تیونس) فتح کر لیا (جس کے قریب بعد میں قیروان آباد ہوا) اور پھر سُبیطلہ کے مقام پر جرجیر (گریگوری) کو شکست دے کر تیونس اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 244-248)

[3] تاريخ خليفة بن خياط: 159، و تاريخ يعقوبي: 165/2، و تاريخ الطبري: 48/5، و الفتوح: 359/1، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 312.

بنزرت (تیونس) کا لائٹ ہاؤس

قرطاجہ (تیونس) کے کھنڈر

جربہ (تیونس) کا ساحلی شہر

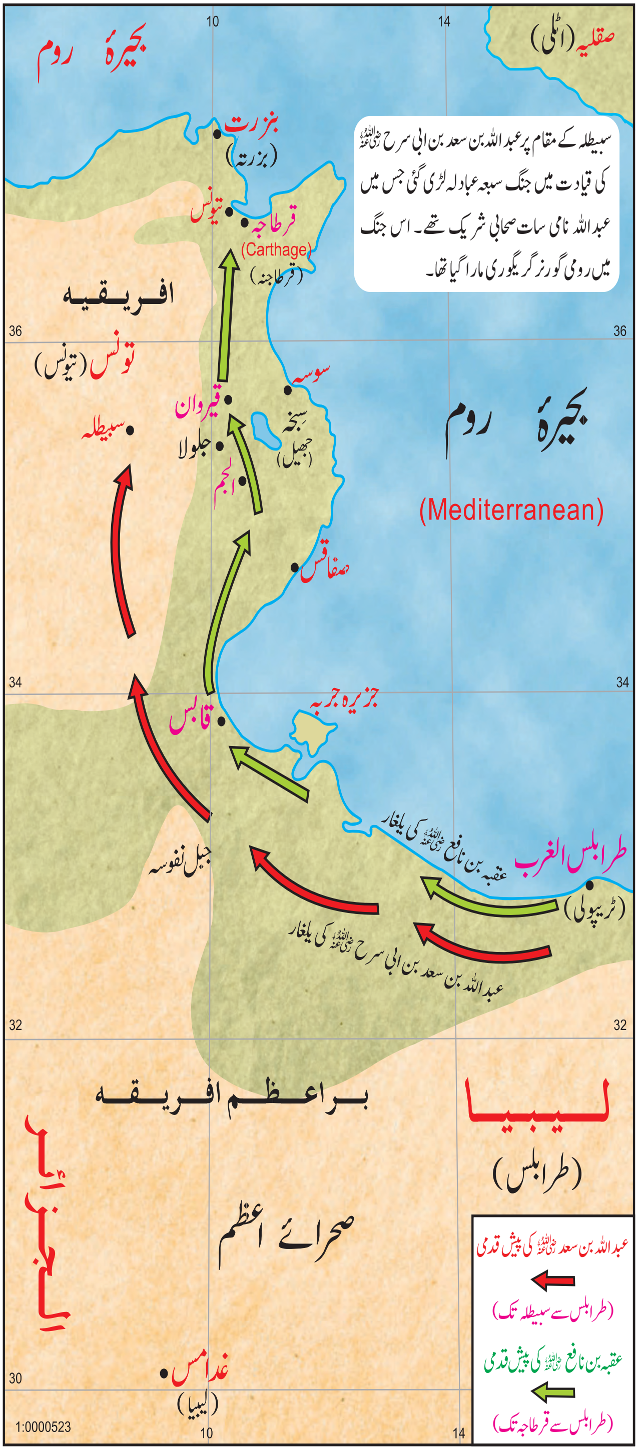

المغرب (تیونس) کی فتح (29ھ - 47ھ)

نوبیا (سوڈان) میں مصری فرعون توتن خامن سے منسوب مندر کے آثار

نوبہ کا علاقہ (33ھ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنوب کی طرف نوبہ (سوڈان) کے علاقے میں آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوئے، چنانچہ انھوں نے اسے فتح کرنے کا منصوبہ ترک کر دیا۔ جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے 33ھ میں نوبہ کے علاقے میں پیش قدمی کی اور وہاں کے باشندوں سے کئی لڑائیاں لڑیں جن کے نتیجے میں وہ مسلمانوں سے ایک معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئے جو معاہدہ ''بقط'' کے نام سے معروف ہے۔ اس کے مطابق وہ لوگ مسلمانوں کو سالانہ جزیہ دینے کے پابند تھے۔[1] اس معاہدے کے مطابق اسلامی سلطنت اور نوبہ کی مملکت کے تعلقات تقریباً چھ صدیوں تک اسی طرح قائم رہے حتی کہ اس ملک کے لوگ مسلمان ہوگئے، تو جزیہ ختم کر دیا گیا۔[2]

② فتح آرمینیا (29ھ)

امیرالمومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو حکم جاری فرمایا کہ سیدنا حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی کمان میں مسلمانوں کا ایک لشکر آرمینیا کی فتح کے لیے روانہ کریں۔

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 168، و فتوح البلدان: 238، و معجم البلدان: 309/5. [2] دیکھیے: ڈاکٹر مصطفی مسعد کی الإسلام والنوبة في العصور الوسطى. طبع قاهره، مكتبة انجلو مصرية 1960ء.

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ آٹھ ہزار شامی مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے اور آرمینیا کے بعض مقامات فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد ارمن قوم اور ان کے پادریوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نئے سرے سے تیاری کی اور ان کی مدد کے لیے روم اور خزر کے علاقے سے فوجیں پہنچ گئیں، چنانچہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کو شام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کمک طلب کرنا پڑی۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کے لیے شام سے دو ہزار افراد پر مشتمل فوج روانہ کر دی۔ اس کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم جاری فرمایا کہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے سیدنا سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج روانہ کریں۔ آپ مسلمانوں کے ایک تجربہ کار کمانڈر تھے جو اس علاقے اور وہاں کے لوگوں کے طریقِ جنگ کے بارے میں بہت معلومات رکھتے تھے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوگئے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے ارمنی اور رومی افواج پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے کمانڈر کو قتل کر کے ان پر فتح پالی۔ جب سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان وہاں پہنچے تو انھوں نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ محاذ تقسیم کر لیے، چنانچہ کوفہ والے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مشرقی آرمینیا فتح کرنے لگے اور شامی لشکر نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مغربی آرمینیا فتح کرنا شروع کر دیا حتی کہ مسلمانوں نے پورا آرمینیا فتح کر لیا اور بحیرۂ اسود تک پہنچ گئے۔ انھوں نے قفقاز (اسے کوہ قاف اور کاکیشیا (CAUCASIA) بھی کہتے ہیں) کا علاقہ فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔[1]

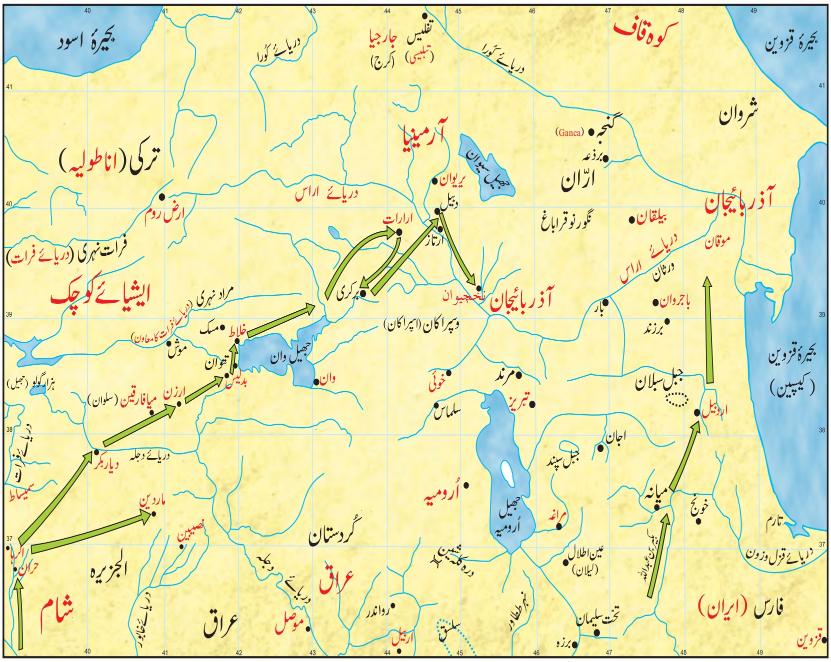

الجزیرہ سے آرمینیا اور فارس سے آذربائیجان کی فتوحات

---

[1] تاریخ خلیفۃ بن خیاط:163، و فتوح البلدان:201، و الطبقات لابن سعد:131/6، و الفتوح:111/2.

③ سمندری فتوحات

اسلام کی ابتدائی فتوحات میں عربوں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، لیکن سمندری سفر کے بارے میں وہ اپنی ہمسایہ اقوام ...... مثلاً ایرانیوں اور رومیوں ...... جیسا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تھی کہ مسلمان سمندر پار کر کے رومیوں پر حملہ کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سمندر اور اس کے سفر کی کیفیت دریافت فرمائی۔ انھوں نے کچھ اس انداز سے تفصیلی جواب دیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے خوف محسوس ہوا (کہ اس سے اسلامی لشکر خطرے میں پڑ سکتا ہے)، چنانچہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو سمندر کے راستے حملہ کرنے کی اجازت نہ دی۔

رومیوں نے سمندر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شام اور مصر میں اور بالخصوص ان کے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں پر بار بار وار کرنے کی کوشش کی۔ وہ بحری جہازوں سے مسلمانوں پر حملہ کرتے اور پھر ساحل سے دور سمندر میں چلے جاتے تھے، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے ضرورت محسوس کی کہ ان کا بھی ایک مضبوط بحری بیڑا ہونا چاہیے جو نہ صرف رومیوں کے حملوں سے مسلمانوں کی بحری سرحدوں کا دفاع کر سکے بلکہ بحیرۂ روم کے جزیروں میں نئی فتوحات بھی حاصل کر سکے۔ [1]

---

[1] فتوح البلدان: 158,157، والكامل: 95/3، والبداية والنهاية: 164/7.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے شام اور مصر کے گورنروں نے اس مسئلے کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور دونوں علاقوں میں جہاز سازی کا کام شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے شام کے رومی اور مصر کے قبطی ماہر کاریگروں سے مدد لی اور اس کے عوض انھیں مال دینے کا وعدہ کیا۔ رومیوں نے مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار کرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کچھ تخریب کار بھیجے جو طرابلس (لبنان) اور اسکندریہ میں جہاز سازی کے کارخانوں میں گھس گئے۔ انھوں نے کارخانوں کے علاوہ ان میں موجود جہازوں کو بھی جلا دیا لیکن اس سے مسلمانوں کے اس عزم میں کوئی کمزوری نہیں آئی کہ وہ اپنا منصوبہ ضرور پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ آخر کار شام کے ساحل پر اور اسکندریہ میں مسلمانوں کے بحری جہاز تیار ہو گئے۔ اور ان سے اسلامی بحری بیڑے کی تشکیل ہوئی جو رومیوں کے بحری بیڑے جتنا بڑا تو نہیں تھا، تاہم وہ رومیوں کے جہازوں کے مقابلے میں اسلامی ساحلوں کے دفاع کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتا تھا بلکہ سمندر میں نئی فتوحات بھی حاصل کر سکتا تھا۔ [1]

---

[1] دیکھیے سید عبدالعزیز السالم اور ڈاکٹر احمد مختار عبادی کی تاریخ البحرية الإسلامية في حوض البحر الأبيض المتوسط (بحیرۂ روم میں اسلامی بحری فوج کی تاریخ) جزء اول، (شام اور مصر میں اسلامی بحریہ)۔

شمالی قبرص میں قلعہ کرینیا

فتح قبرص (27ھ)

جب شام میں اسلامی بحری بیڑے نے اپنی تیاری مکمل کر لی تو شام کے گورنر سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا لیکن یہ شرط لگا دی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی جہاد میں اہل وعیال سمیت شریک ہوں گے اور کسی مسلمان کو سمندر کے سفر پر مجبور نہیں کریں گے۔ اس جنگ میں جو مسلمان شریک ہوں گے، وہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے شریک ہوں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ان احتیاطی اقدامات کی وجہ یہ تھی کہ سمندری سفر مسلمانوں کے لیے ایک نیا کام تھا۔ اکثر مسلمان اس نئے تجربے سے خائف تھے۔ خاص طور پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کو اس خطرے میں ڈالنے سے ڈرتے تھے۔ اس غزوے میں بہت سے مسلمان رضا کارانہ طور پر شریک ہوئے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاصی تعداد میں شامل تھے جن میں نمایاں شخصیات یہ ہیں: سیدنا ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس، عبادہ بن صامت اور ان کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم۔ [1]

[1] فتوح البلدان: 159، و تاريخ خليفة بن خياط: 160، و تاريخ الطبري: 5/51.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ بیڑا لے کر 27 ھ میں شام کے ساحل سے روانہ ہوئے اور مسلمانوں کو لے کر قبرص پہنچ گئے۔ وہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ مسلمانوں نے اس سے اتفاق کیا اور یہ شرط لگا دی کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن انھوں نے رومیوں کی مدد کی اور انھیں مسلمانوں کے کمزور مقامات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 33 ھ میں ایک زیادہ بڑا بحری بیڑا لے کر ان پر دوبارہ حملہ کیا اور جنگ کر کے قبرص کو دوبارہ فتح کر لیا۔[1]

---

[1] فتوح البلدان: 158، و تاریخ الطبري: 53/5، و تاریخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدین): 415.

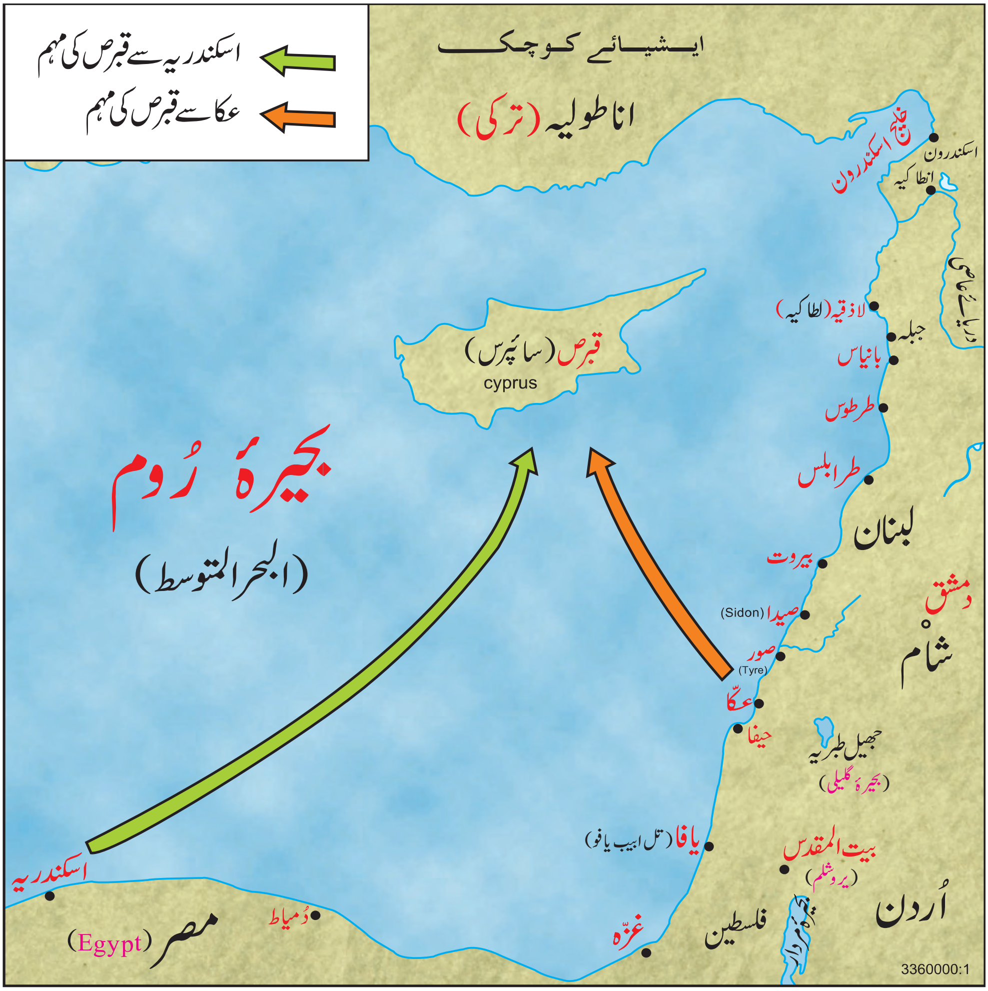

عکا اور اسکندریہ سے فتح قبرص (33ھ / 653ء)

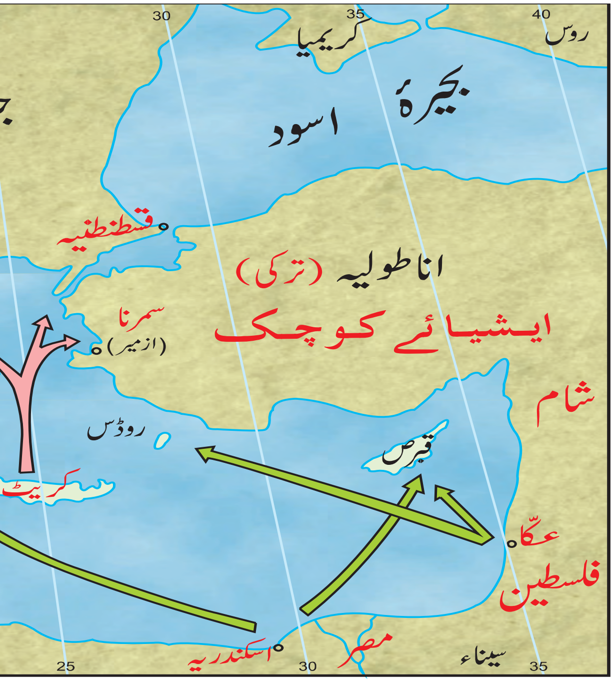

معرکہ ذات الصواری (31ھ) [1]

رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مسلسل شکست ہو رہی تھی اور ان کا بہت نقصان ہو رہا تھا، اس لیے انھوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے ایک بہت بڑی بحری فوج تیار کی جو پانچ سو سے زیادہ جہازوں پر مشتمل تھی اور اسکندریہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، پھر وہ اپنا عظیم بحری بیڑا لے کر روانہ ہوئے۔ اس کی قیادت ہرقل کا جانشین بیٹا قسطنطین کر رہا تھا۔ وہ اب رومیوں کا بادشاہ تھا۔ اس بحری بیڑے کی روانگی کی خبر مسلمانوں کو مل گئی تھی۔ ادھر مسلمانوں کا بحری بیڑا اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ شامی بیڑا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں اور مصری بیڑا سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ دونوں بحری فوجوں کا مقابلہ بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) کے اس علاقے میں ہوا جو اسکندریہ کے شمال میں اور شام کے مغرب میں ہے۔ مسلمانوں کے جہازوں کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ یہ تعداد رومی بیڑے کے مقابلے میں بہت کم تھی کیونکہ ان کے بیڑے میں پانچ سو سے زیادہ جہاز شامل تھے۔ متحدہ اسلامی بیڑے کی قیادت مصر کے گورنر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ کی ابتدا فریقین کے درمیان تیر اندازی سے ہوئی۔ دریں اثنا پتھر پھینکے گئے۔ اس کے بعد مسلمان اپنے جہاز دشمن کے جہازوں سے باندھنے میں کامیاب ہو گئے اور رومیوں سے تلواروں اور خنجروں کے ساتھ دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ جنگ انتہائی شدید تھی۔ دونوں طرف سے ہزاروں لاشیں گریں۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس

[1] المنجد فی الاعلام (عنوان ''لیقیا'') کے مطابق ذات الصواری کی بحری جنگ 655ء (35ھ) میں لڑی گئی جبکہ اطلس الفتوحات الاسلامیہ میں لکھا ہے: ''34ھ/ 654ء میں ساحلِ لیکیا (جنوبی ترکی) کے پاس ذات الصواری نامی بحری جنگ ہوئی۔'' (''قسطنطنیہ کی بحری مہم''، اٹلس فتوحات اسلامیہ: 275) (م ف)

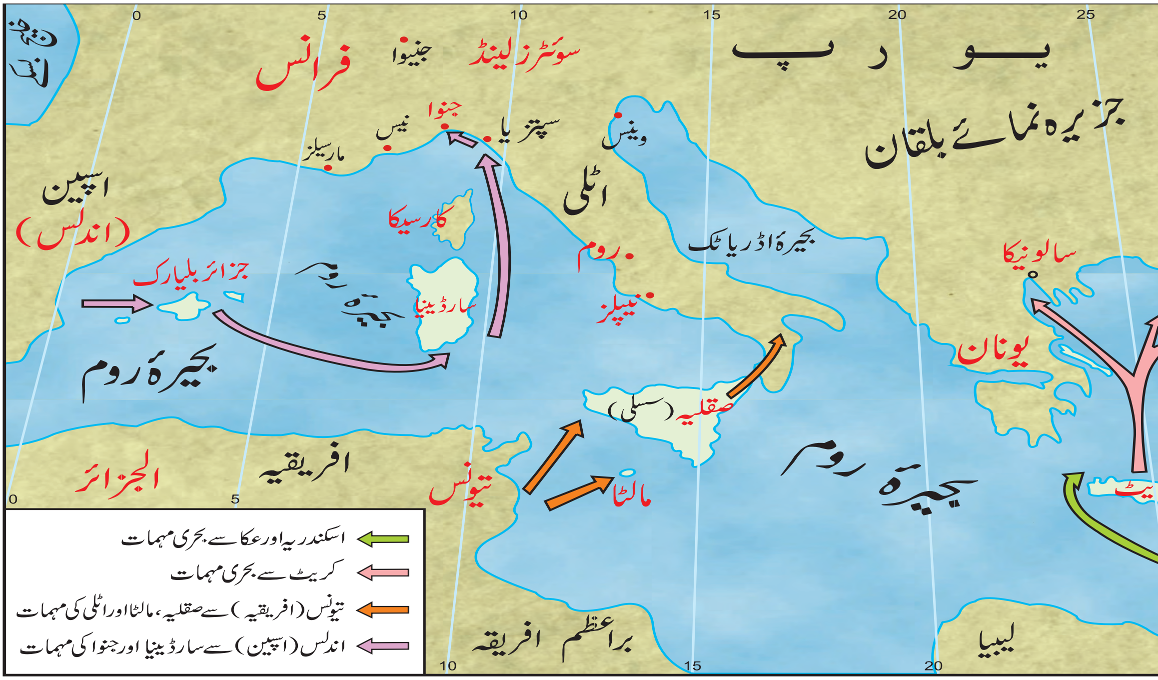

بحیرۂ روم کی جہادی مہمّات

دوران میں رومیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے سالار سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے جہاز کو آنکڑوں اور زنجیروں کے ذریعے سے قابو کر کے اس پر قبضہ کرلیں۔ لیکن ایک بہادر مسلمان نے زنجیر کاٹ دی اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ دشمن کے قابو میں آنے سے بچ گئے۔ جنگ زوروں سے ہوتی رہی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔[1] رومیوں کا بادشاہ جو اس جنگ میں ان کا سپہ سالار تھا، زخمی ہوگیا۔ اس نے اپنے لشکر کے دوسرے بھگوڑوں کے ہمراہ جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں پناہ لے لی۔ وہاں اس کے اپنے رومی فوجیوں نے اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ اسے شکست کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔[2]

اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح خشکی پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، اسی طرح سمندروں پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا اور بحیرۂ روم مسلمانوں کا سمندر بن گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو غنیمت میں جو بحری جہاز ملے، ان سے اسلامی بیڑے کو مزید قوت حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد رومیوں کے وہ سمندری حملے کم ہوگئے جو مصر اور شام کے اسلامی ساحلوں کے لیے خطرہ بنے رہتے تھے۔

---

[1] تاريخ الطبري:5/70، و الكامل:3/153-157، و البداية والنهاية:7/258. [2] الكامل:3/119.

③ مشرقی فتوحات اور سلطنت فارس کا خاتمہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرق کی طرف فتوحات کے لیے اسلامی افواج کوفہ اور بصرہ سے روانہ ہوتی تھیں۔ ان دونوں صوبوں کی الگ الگ فوج تھی جن کا اپنا اپنا سالار تھا۔ کوفہ سے فوجیں شمال اور مشرق کی طرف گئیں۔ ان کا مقصد گزشتہ فتوحات کو مستحکم کرنا، مفتوحہ علاقوں کے باغیوں، معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں اور صلح کے معاہدے توڑنے والوں کو سزا دینا یا نئے علاقے فتح کرنا تھا، چنانچہ سیدنا ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان، آرمینیا اور دیلم سے جنگ کی حتی کہ بحیرۂ قزوین (Caspian Sea) تک پہنچ گئے۔ [1]

جب سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا گیا تو کوفہ والوں نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں خراسان پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں ان کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ کوفہ کا لشکر خراسان سے جرجان کی طرف گیا اور وہاں کے باشندوں پر جزیہ نافذ کیا۔ اس کے علاوہ لشکر کا ایک حصہ طبرستان پہنچا اور انھیں بغاوت کی سزا دی۔ بصرہ سے اسلامی لشکر مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے کمانڈر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ہمدان اور رَے کے علاقے فتح کیے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ وہ باغی علاقوں کو دوبارہ مطیع کرتے ہوئے سابور تک جا پہنچے۔ [2]

29ھ میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان شخصیت سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ شاہ یزدگرد کے بہکانے سے ایران کے اکثر علاقے مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے توڑ کر بغاوت پر اُتر آئے تھے۔ وہ فارس کے مشرقی علاقوں میں دورے کرتا پھرتا تھا اور انھیں بغاوت پر اکساتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے متعدد لشکر روانہ کیے جن میں سے بعض کی قیادت انھوں نے خود کی۔ اس طرح جن علاقوں میں لوگوں نے عہد شکنی کی تھی، وہ دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگے۔ وہ ان کے بادشاہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگنے پر مجبور کرتے رہے۔ مسلمانوں

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 158-160، و فتوح البلدان: 318، و تاریخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدین): 324.

[2] تاریخ خلیفة بن خیاط: 161-165، و تاریخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدین): 326.

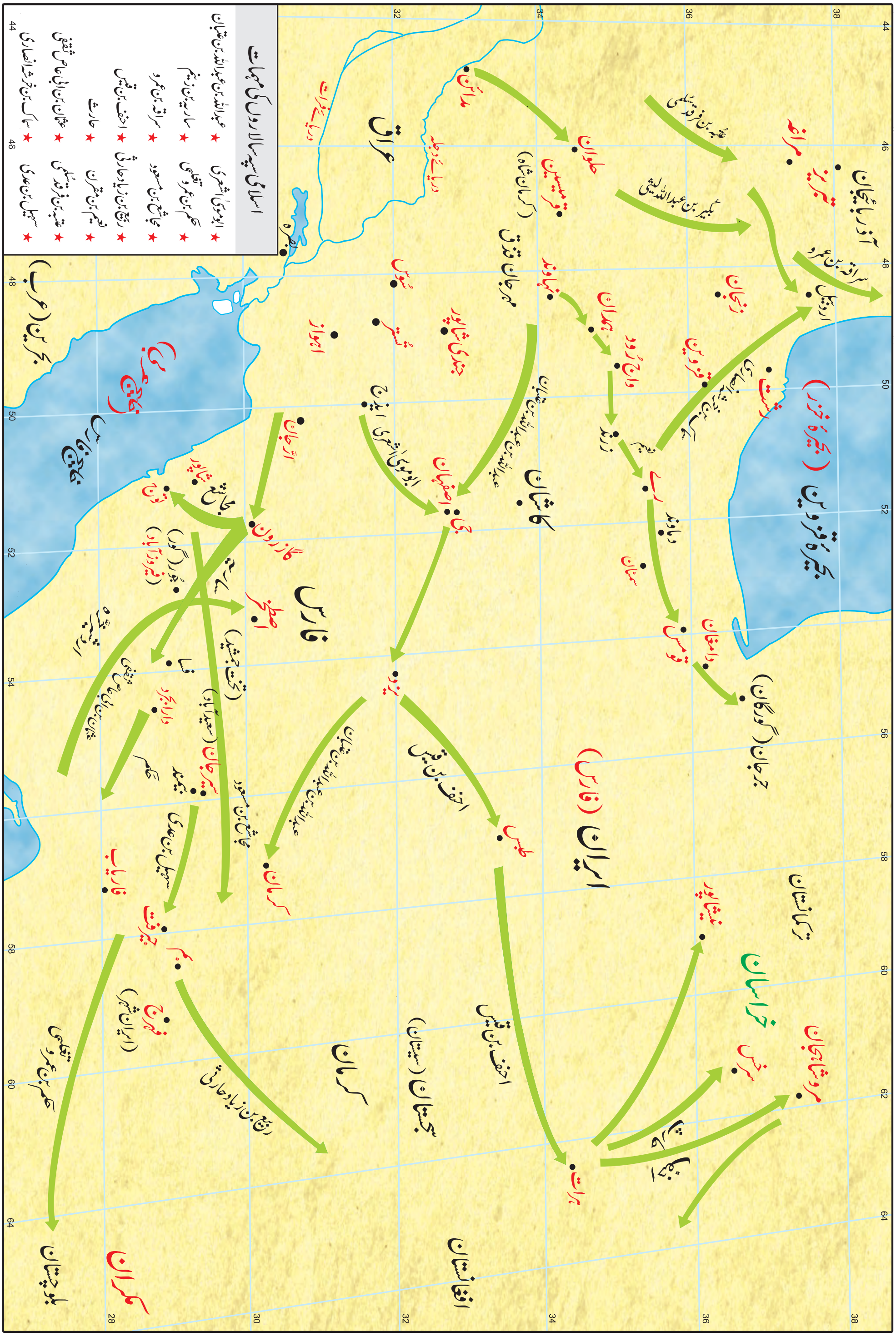

فارس، کرمان، سجستان ومکران اور خراسان کی فتوحات

نے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 31 ھ میں مرو، سرخس اور کابل پر قبضہ کرلیا، نیز کرمان اور سجستان کو دوبارہ فتح کر لیا۔ خود سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان فتح کر لیا اور ان علاقوں پر اپنے گورنر مقرر کر دیے، پھر ایک شدید جنگ کے بعد نیشاپور فتح ہوگیا اور وہاں کے باشندوں نے جزیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس دوران میں آپ رضی اللہ عنہ نے نافرمانوں کی سرکوبی کی اور انھیں دوبارہ اسلامی سلطنت کے تابع کر دیا۔ [1]

31 ھ میں سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلخ کی طرف روانہ کیا۔ وہ متعدد معرکوں کے بعد اسے فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اپنا لشکر لے کر مشرق کی طرف بڑھے حتی کہ دریائے جیحون پر واقع شہر خوارزم تک پہنچ گئے، البتہ اسے فتح نہ کر سکے۔ [2]

ان فتوحات کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بغاوتیں فرو کر دینے کے نتیجے میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد [3] پریشان حالی میں کبھی کہیں، کبھی کہیں بھاگتا پھرا۔ آخر کسی ایرانی نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اسے قتل کر دیا۔ [4]

آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم کی موت سے فارسی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا جو ایک طویل عرصے تک اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنی رہی تھی۔ اہلِ فارس مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے واپس لینے سے مایوس ہوگئے۔ ان کا کوئی نظامِ حکومت قائم نہ رہا جو اس مقصد کے لیے کارروائی کر سکتا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ توجہ پہلے سے فتح کیے ہوئے علاقوں کی حفاظت پر مبذول رہی۔ یہ ایک مشکل مہم تھی کیونکہ مسلمانوں کو اپنے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے بہت سی جنگیں لڑنا پڑیں، خاص طور پر فارس کے علاقوں میں۔ اس کے علاوہ انھوں نے مصر میں، شام کے ساحلوں پر اور سمندر میں مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے رومیوں سے جنگیں کیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے متعدد نئے علاقے فتح کیے، بالخصوص خراسان، افغانستان، آرمینیا، قبرص اور شمالی افریقہ اور نوبہ کے علاقوں میں فتوحات حاصل ہوئیں۔

---

[1] تاریخ خليفة بن خياط: 163، و فتوح البلدان: 395. [2] تاریخ خليفة بن خياط: 166، و تاريخ يعقوبي: 167,166.

[3] شاہ یزدگرد پہلے ترکوں سے مدد لے کر مرورُود کے پاس ایک معرکے میں مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا، پھر مرو شاہجان (موجودہ ماری، ترکمانستان) میں سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے شکست کھا کر وہ ترکوں کے پاس فرغانہ (ازبکستان) چلا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یزدگرد دوبارہ مرورُود (مغربی افغانستان) کے قریب پہنچا مگر ایک پن چکی والے (ایرانی) کے ہاتھوں مارا گیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 150)

[4] فتوح البلدان: 313-311، و تاريخ الطبري: 71/5، و البداية والنهاية: 158/7.

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عرصہ چار سال سے چند مہینے زیادہ ہے، البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی سلطنت کے مختلف حصوں میں برپا ہونے والے فتنوں کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ تقریباً منقطع رہا۔ اس کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے بہت جدوجہد کی، بالخصوص فارس کے علاقے میں جہاں کے باشندوں نے کئی دفعہ بغاوت کی کوشش کی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے کمانڈروں نے باغیوں کی سرکوبی کر دی اور ان علاقوں کو اسلامی سلطنت سے نکلنے نہ دیا۔ علاوہ ازیں ان کے دور میں مجاہدین کے رضا کار لشکر سندھ کے قریب پہنچے اور بعض علاقے فتح بھی کیے، البتہ دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے مفتوحہ علاقے اسلامی سلطنت میں پوری طرح شامل نہ ہو سکے۔

باب 3

بنوامیہ کا دورِ حکومت

بنوامیہ کا دورِ حکومت

(41ھ تا 132ھ)

بنوامیہ کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات

بنوامیہ کی حکومت کاتبِ وحی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے شروع ہوئی اور 132ھ میں ختم ہوگئی۔ اس دوران میں وہ قوت اور کمزوری کے مختلف مراحل سے گزری۔ اس حکومت کے دورِ عروج میں عظیم فتوحات ہوئیں اور وسیع علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ انھیں اسلامی تاریخ کی اہم فتوحات شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے علاقے ایسے تھے جہاں اسلام پہلی بار پہنچا۔ ان میں سے چند اہم فتوحات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

① رومی سلطنت میں اموی فتوحات

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی ابتدائی فتوحات میں شریک تھے، لہٰذا انھیں رومیوں سے جنگ کا تجربہ حاصل تھا، چنانچہ جب انھیں خلافت ملی تو انھوں نے رومی سرحدوں پر حملے جاری رکھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گرمائی لشکر اور سرمائی لشکر تیار کر رکھے تھے جو موسم گرما اور موسم سرما میں رومیوں پر حملے کرتے اور ان کے علاقوں میں جہادی کارروائیاں کرتے تھے۔[1] یہ حملے اس لحاظ

---

[1] تاریخ خلیفۃ بن خیاط: 208، و فتوح البلدان: 189، و تاریخ الطبري: 130/5، و سیر أعلام النبلاء: 151/3، اس کے متعلق مزید دیکھیے: کورکیس عواد کی مصادر اتراث العسکری عندالعرب. اس نے بیان کیا ہے کہ ہیثم بن عدی (متوفی 207ھ) نے گرمائی لشکروں کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی۔

سے کامیاب رہے کہ ان کی وجہ سے رومی اطمینان سے نہ بیٹھ سکے اور مسلسل کمزور ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کی قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی متعدد کوششوں کے بعد آخر کار 857ھ/1453ء میں رومی سلطنت عثمانی سلطان محمد ثانی کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے 48ھ میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں بری فوج کے علاوہ بحری فوج بھی شامل تھی۔ اس لشکر میں متعدد صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہوئے جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اس لشکر کے کمانڈر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ لشکر ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) میں طوروس کا پہاڑی سلسلہ عبور کرنے میں کامیاب رہا اور بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پہنچ گیا۔ وہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے جن میں رومیوں نے اپنے دارالحکومت کے دفاع کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ کئی وجوہات کی بنا پر مسلمان شہر میں داخل نہ ہو سکے، مثلاً یہ کہ سردی شدید تھی، محاصرہ طویل ہوگیا تھا، علاوہ ازیں قسطنطنیہ کی دیواریں اور قلعے بہت مضبوط تھے، اس کے علاوہ رومیوں نے ''گریک فائر'' (بعض جگہ زمین سے رسنے والا نفت یا پٹرولیم تیروں پر لگا کر پھینکتے تھے۔ یہ جلتے ہوئے تیر جس چیز کو لگتے، اس میں آگ بھڑک اٹھتی تھی) کا ہتھیار استعمال کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے جہاز جل گئے، چنانچہ مجبوراً مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محاصرے کے دوران میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وفات پا گئے،

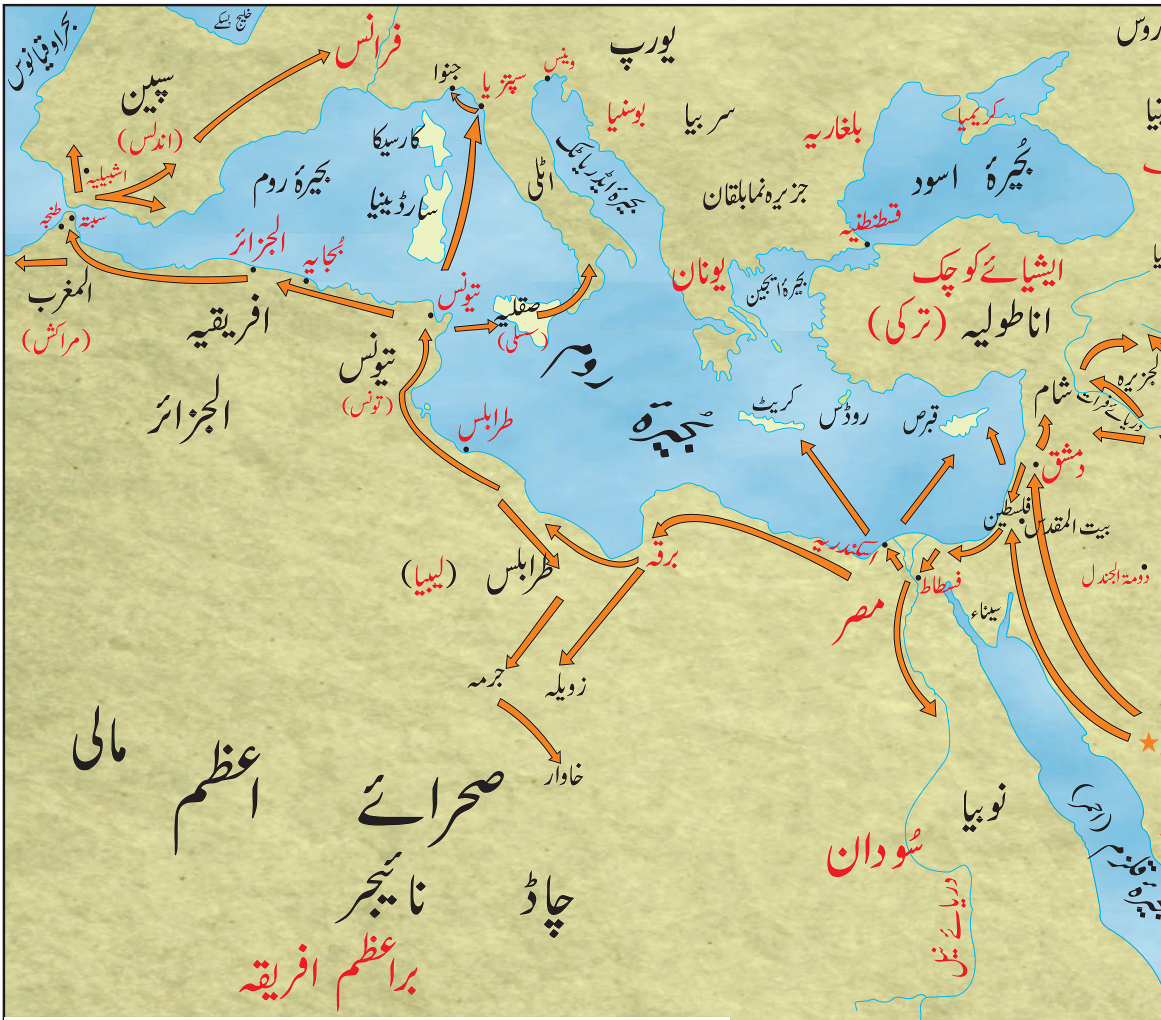

عہد بنی امیہ میں فتوحات اسلامیہ کی وسعت (ماوراء النہر سے فرانس تک)

انھیں قسطنطنیہ کے قریب دفن کیا گیا۔[1] یہ حملہ مسلمانوں کی طرف سے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی پہلی کوشش تھی۔[2] اس کے بعد دوسری کوشش سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 54ھ میں ہوئی۔ اس وقت شام سے

---

[1] تاریخ الطبري: 130/5، و الکامل: 458/3، و البدایة والنهایة: 32/8، (بعض مصنّفین نے اسے 49ھ کا واقعہ بیان کیا۔) [2] 43ھ/663ء کی سردیوں میں بسر بن ارطاۃ کی قیادت میں (پہلا) غزوۂ قسطنطنیہ لڑا گیا، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 49ھ/669ء میں سفیان بن عوف کی قیادت میں ایک بحری مہم بھیجی۔ مسلمان قسطنطنیہ کی بندرگاہ تک جا پہنچے۔ اسی جنگ میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فصیلِ قسطنطنیہ کے نیچے جامِ شہادت نوش کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ (اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ: 275)

قدیم قسطنطنیہ کا ایک منظر

بری اور بحری فوجیں روانہ ہوئیں اور قسطنطنیہ کے قریب کچھ شہروں اور جزیروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں، پھر انھیں جنگی مراکز بنا کر وہاں سے قسطنطنیہ پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ انھوں نے شہر کا محاصرہ کیا، لیکن یہ محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ کا جغرافیائی محل وقوع اسے ایک فطری حفاظت مہیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کا مکمل محاصرہ ممکن نہیں تھا، کیونکہ شہر کئی سمتوں سے سمندر کی وجہ سے محفوظ تھا۔ اسلامی لشکر 53 ھ سے 60 ھ تک اس کے قریب جنگی پوزیشن میں ٹھہرا رہا لیکن وہ اسے فتح نہ کر سکا۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کے حکم سے یہ لشکر واپس آ گیا۔

مسلمانوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں 52 ھ میں جزیرہ ''روڈس'' فتح کر لیا تھا اور وہاں کچھ مسلمانوں نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ وہ رومیوں کے جہازوں کی نقل وحرکت میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ انھیں مسلمانوں کے علاقوں اور باشندوں پر حملہ کرنے سے باز رکھتے تھے۔ [1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بنوامیہ کی سلطنت میں حالات خراب ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان تعلقات بھی متاثر ہوئے اور ان پر مسلمانوں کے حملوں میں کمی آ گئی۔ جب 73 ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں حالات پرسکون ہوئے تو اس نے ایشیائے کوچک میں گرمائی اور سرمائی لشکر بھیجنے شروع کر دیے۔ اس نے رومیوں پر اس کثرت سے حملے کیے کہ ان کی قوت کمزور ہوگئی۔ مسلمانوں نے محمد بن مروان اور مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں کارروائیاں کر کے رومیوں کے قلعے تباہ کر دیے اور ان کی حفاظتی تعمیرات ملیامیٹ کر دیں جو شام کے قریب تھیں تاکہ مسلمانوں کے لیے

---

[1] مسلمان سات آٹھ سال جزیرہ روڈس (Rhodes) کے ایک قلعے میں مقیم رہے۔ یزید خلیفہ بنا تو اُس نے سیدنا جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قلعہ مسمار کر کے واپس چلے آئیں جیسے انھوں نے قبرص میں کیا تھا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام: 280)

ایشیائے کوچک پر حملہ کرنا آسان ہو جائے۔

عبدالملک بن مروان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے رومیوں پر حملے جاری رکھے۔ اور مسلمانوں نے طرسوس، ہرقلہ اور عموریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح قسطنطنیہ کی فتح کی راہ ہموار ہو گئی۔

اس دوران میں ولید بن عبدالملک، رومیوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے بری اور بحری فوجیں تیار کرتا رہا لیکن یہ منصوبہ مکمل ہونے سے پہلے وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اس منصوبے پر کام جاری رکھا۔ اس نے 98ھ میں قسطنطنیہ کی طرف بحری اور بری افواج روانہ کیں۔ ان افواج کی قیادت مسلمہ بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لشکر قسطنطنیہ کی دیواروں تک جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ لشکر کو بہت صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس سال سردی بہت شدید تھی جس کی وجہ سے غذائی اشیاء کی قلت ہو گئی تھی۔ یہ محاصرہ جاری تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات ہو گئی اور جناب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بن گئے۔ انھوں نے ملکی پالیسی تبدیل کر دی اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے والی افواج کو واپس آنے کا حکم دے دیا۔ انھوں نے نئے علاقے فتح کرنے کے بجائے مفتوحہ علاقوں اور اسلامی سلطنت کی اطاعت قبول کرنے والے علاقوں میں اسلام کی نشر و اشاعت پر زیادہ محنت کی۔[1] اس میں شک نہیں کہ قسطنطنیہ پر بنو امیہ کے حملوں کے نتیجے میں وہ شہر فتح نہیں ہو سکا، تاہم اس سے مسلمانوں کی قوت ظاہر ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ایشیائے کوچک اور دیگر علاقوں میں رومیوں کے دفاع کو زیر و زبر کر سکتے ہیں۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 320، و تاريخ الطبري: 130/8، و الكامل: 43/5، و البداية والنهاية: 184/9.

جزیرہ روڈس میں ایکروپولس آف لنڈوس کے آثار

② مشرقی علاقوں میں اموی فتوحات

امویوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِحکومت میں اور بعد کے ادوار میں مشرقی علاقوں میں عظیم فتوحات حاصل کیں۔ پہلے سے فتح شدہ جن علاقوں میں بغاوت کی کوششیں ہوئی تھی، وہاں اسلام کے قدم مضبوط کرنے کے لیے انھوں نے بہت محنت کی۔ ان میں اہم ترین فتوحات وہ ہیں جو عراق کے گورنروں نے فارس، خراسان اور سجستان میں حاصل کیں۔ یہاں کے لوگوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان میں پہلی مہم وہ تھی جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ، بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے 41ھ میں روانہ کی۔ اس کے نتیجے میں متعدد علاقے فتح ہوئے یا ان پر مسلمانوں کی عملداری بحال ہوئی۔ ان میں مشہور شہر ہرات، کابل، غزنی، بلخ اور قندھار تھے جو موجودہ افغانستان میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے عراق سے ہزاروں مسلمان خاندان ان شہروں میں منتقل کر دیے تاکہ ماوراء النہر کے علاقے فتح کرنے کی تیاری ہو سکے۔[1]

اس کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربیع بن زیاد حارثی کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ انھیں ماوراء النہر، یعنی دریائے جیحون کے پار کے علاقوں پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔ یہ علاقہ کئی صوبوں اور بہت سے شہروں پر مشتمل تھا اور وہاں اسلحہ بھی بہت تھا۔ مسلمانوں نے دریائے جیحون (آمودریا) کو پار کیا اور اس کے کئی شہر

---

[1] فتوح البلدان: 388-398.

جنوبی خراسان (ایران) میں قلعہ فرج کی باقیات

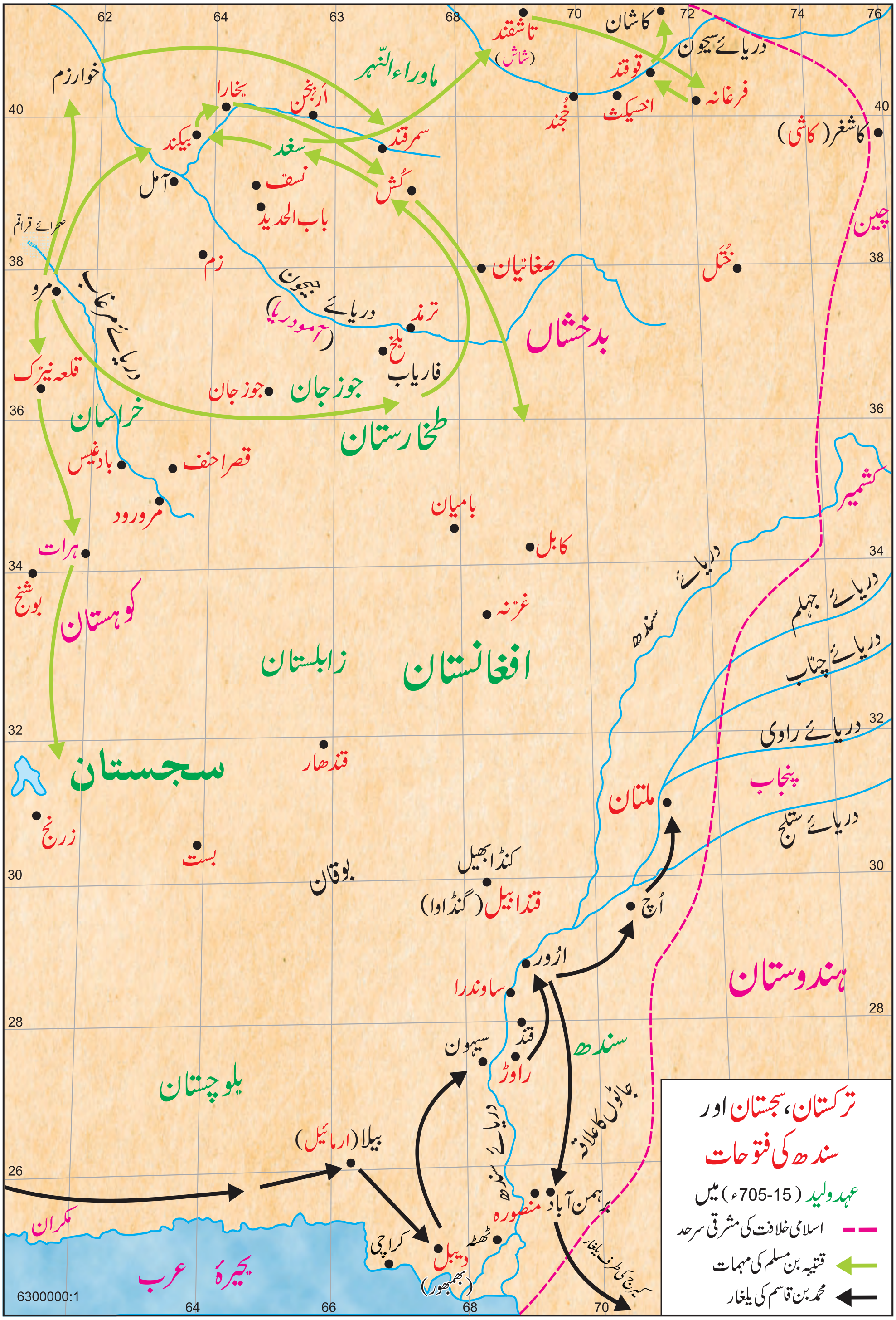

سندھ اور وسط ایشیا کی فتوحات

فتح کر لیے جن میں ترمذ، بخارا اور بیکند بھی شامل تھے۔ [1] یہ فتوحات 54ھ میں ہوئیں۔ [2]

اس کے بعد خراسان کی حکومت سیدنا سعید بن عثمان رضی اللہ عنہما بن عفان کو ملی۔ انھوں نے سمرقند فتح کیا۔ اس کے علاوہ بخارا اور ترمذ کی بغاوتوں کو ختم کر کے انھیں دوبارہ فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں پر جزیہ عائد کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے جنوب کے علاقے فتح کیے حتی کہ مسلمان ہندوستان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے (ہندو) مشرکین سے جنگیں کیں اور بہت سی غنیمت حاصل کی۔ [3]

عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں ماوراء النہر میں جو فتوحات ہوئیں، ان کی قیادت ''مہلب بن ابی صفرہ'' کے ہاتھ میں تھی۔ [4] انھوں نے ان علاقوں میں مسلمانوں کے قدم مضبوط کرنے کے لیے اور خوارج کی سرکوبی کے لیے اقدامات کیے۔ [5]

ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے 86ھ میں قتیبہ بن مسلم باہلی

---

[1] سیدنا سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں باب الحدید اور ترمذ فتح ہوئے جبکہ سالم بن زیاد نے بخارا اور سمرقند فتح کیے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، احمد عادل کمال (دارالسلام): 161) [2] فتوح البلدان: 401، و تاريخ الطبري: 167/5، و الكامل: 499/3.

[3] تاريخ خليفة بن خياط: 206. [4] مہلب بن ابی صفرہ کو 78ھ میں والیٔ عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے گورنر خراسان مقرر کیا۔ مہلب نے ماوراء النہر میں صغد (جنوبی ازبکستان) کے شہر کش (موجودہ شہر سبز) پر قبضہ کر لیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 161، 162)

[5] تاريخ خليفة بن خياط: 279، 288، 295، و الكامل: 453/4۔

کو خراسان کا گورنر مقرر کیا، چنانچہ ماوراء النہر میں اسلامی فتوحات میں ایک نیا رنگ جھلکنے لگا جس میں قتیبہ اور اس کی فوجوں کا تبلیغِ اسلام کا جذبہ اور ان علاقوں میں اسلامی سلطنت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے مخلصانہ جہاد ایک محرک کا کام کر رہا تھا۔ قتیبہ اور اس کی فوجوں نے سب سے پہلے بلخ کا شہر فتح کیا جو صغد اور چین جانے والے راستوں کے سنگم پر واقع تھا۔ وہ اس سے آگے بڑھے اور دریائے جیحون پار کر لیا۔ علاقے کے اکثر قبائل نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح وہ 87ھ میں بیکند پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بخارا کے راستے میں یہ ایک اہم شہر تھا۔ انھوں نے کچھ اور شہر بھی فتح کیے۔ اگرچہ ترکمان قبائل نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، تاہم قتیبہ نے 90ھ میں بخارا کا شہر فتح کر لیا۔ وہاں کا بادشاہ شہر سے بھاگ گیا۔ [1]

93ھ میں قتیبہ نے خوارزم کے علاقے پر حملہ کیا۔ یہ شہر اس جگہ کے قریب ہے جہاں دریائے جیحون بحیرۂ خوارزم میں گرتا ہے۔ انھوں نے یہ علاقہ بنوامیہ کی عملداری میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر حملہ کیا۔ ان لوگوں نے بغاوت کر دی تھی۔ اب انھوں نے صلح کرنے اور جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی لیکن قتیبہ نے یہ پیشکش قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ اپنے شہر میں ایک مسجد تعمیر ہونے دیں، پھر اس کی

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 303,302، و تاریخ الطبري: 68/8، و الکامل: 542/4.

کلاں مینار (بخارا) میں مدرسہ پوئی کلاں

حفاظت کا وعدہ کریں اور جو لوگ اسلام قبول کریں، انھیں پریشان نہ کریں۔ قتیبہ سمرقند میں داخل ہوگئے اور بہت سے مسلمان خاندان وہاں آباد کیے جو اس علاقے میں اسلام پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہوئے۔ [1]

94ھ میں قتیبہ رحمہ اللہ نے شاس اور فرغانہ پر حملہ کیا اور کئی شہر فتح کر لیے حتی کہ 96ھ میں وہ چین کی سرحد پر پہنچ گئے۔ انھوں نے شاہِ چین سے سفیروں کے ذریعے سے مذاکرات کیے۔ شاہِ چین نے قتیبہ کے سفیروں سے کہا: ''اپنے کمانڈر سے جا کر کہو کہ وہ واپس چلا جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے ساتھ بہت کم افراد ہیں۔ ورنہ میں تمھاری طرف وہ لوگ بھیجوں گا جو تمھیں بھی تباہ کر دیں گے اور تمھارے کمانڈر کو بھی۔'' قتیبہ کے سفیروں نے کہا: ''وہ لوگ تعداد میں کم کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں جن کے لشکر کے اگلے گھوڑے تمھارے پاس پہنچ جائیں اور پچھلے ابھی اس علاقے میں ہوں جہاں زیتون کے درخت اگتے ہیں؟ اس کے علاوہ ہماری موت کا وقت مقرر ہے، پھر جب وہ وقت آجائے اور ہمیں شہادت کا شرف حاصل ہو جائے تو ہم ایسی موت کو ناپسند نہیں کرتے، نہ اس سے ڈرتے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''اب تم کس طرح خوش ہو سکتے ہو؟'' قتیبہ کے سفیر نے کہا: ''ہمارے کمانڈر نے قسم کھائی ہے کہ وہ واپس نہیں جائے گا حتی کہ تمھاری زمین کو روندے، تمھارے بادشاہوں پر (غلامی کی) مہر لگائے اور تم سے جزیہ وصول کرے۔'' اس نے کہا: ''ہم اس کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ہم اپنے ملک کی مٹی بھیج دیتے ہیں، وہ اسے روند لے اور ہم اپنے کچھ بیٹے بھیج دیتے ہیں، وہ ان پر مہر لگا لے اور جتنا جزیہ وہ چاہتا ہے، ہم بھیج دیتے ہیں۔'' پھر شاہِ چین نے قتیبہ کو کچھ تحفے اور جزیہ کی رقم بھیج دی، نیز سونے کے برتن بھیجے جن میں چین کی مٹی تھی اور شہزادوں میں سے چار لڑکے بھیج دیے۔ قتیبہ نے تحفے قبول کیے، جزیہ وصول کیا، مٹی پر قدم رکھے اور شہزادوں پر مہر لگائی، پھر خراسان واپس چلے گئے۔ [2]

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر کے اصل فاتح قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ تھے۔ انھوں نے اموی سلطنت کے اقتدار کو چین کی سرحدوں تک وسعت دے دی۔ ان علاقوں میں اسلام کی ترویج میں آپ رحمہ اللہ کا بہت بڑا کردار ہے۔ انھوں نے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اسلام قبول کریں۔ انھوں نے مشرق میں مساجد کی کثرت سے تعمیر کی اور علماء کو وہاں بھیجنے پر خصوصی توجہ دی حتی کہ اس علاقے کے اکثر لوگ مسلمان ہوگئے اور ان میں بڑے بڑے عظیم علماء پیدا ہوئے۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط:305، و تاريخ الطبري:83/8، و الكامل:4/570-575. [2] فتوح البلدان:392,391، و تاريخ الطبري:100/8، و الكامل:5/5، و البداية والنهاية:140/9.

③ سندھ کی فتوحات

سندھ کے ملک میں فتوحات کی ابتدا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں ہوئی، جب 44ھ میں مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں بصرہ کی بعض افواج نے سندھ کے سرحدی علاقوں میں کارروائی کی اور مکران فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے سجستان کی طرف سے دریائے سندھ کے طاس کے بعض علاقوں پر حملہ کیا اور کش اور قصدار[1] وغیرہ بعض مقامات فتح کیے۔[2] لیکن یہ علاقے اس وقت انتظامی طور پر باقاعدہ اموی سلطنت میں شامل نہیں کیے گئے۔

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا نام سندھ کی فتح کے ساتھ لازم وملزوم ہوگیا کیونکہ اس علاقے کے پہلے حقیقی فاتح وہی ہیں۔ اس وقت یہ علاقہ اسلامی سلطنت کے باغیوں کا گڑھ بن چکا تھا اور یہ لوگ سمندر میں آنے جانے والے مسلمانوں کے جہازوں پر اکثر اوقات حملہ کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے حجاج بن یوسف کو جو خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا، دربارِ خلافت سے اس علاقے کو فتح کرنے کی اجازت اصرار

---

[1] کش اور قصدار بلوچستان میں ہے۔ علاقہ کش دراصل ''کچھی'' ہے اور قصدار اصل میں شہر ''خضدار'' ہے۔ (م ف) [2] تاریخ خلیفة بن خیاط: 206، و فتوح البلدان: 421، و الکامل: 4/446.

مکران کوسٹل ہائی وے پر پہاڑی منظر

کے ساتھ طلب کرنا پڑی۔ اجازت ملنے پر حجاج نے ایک بڑا لشکر تیار کیا جو بیس ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کی قیادت کے لیے اس نے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا جس کی عمر اس وقت سترہ برس تھی۔ [1]

91ھ میں لشکر فارس (شیراز) کے علاقے سے ساحل کے راستے روانہ ہوا۔ اسی وقت بصرہ سے بحری جہازوں نے فوج اور سامان لے کر سفر شروع کر دیا۔ جب بری اور بحری افواج دیبل میں جمع ہوچکیں تو محمد بن قاسم نے اس کی فصیلوں کے اردگرد فوج متعین کر کے اس کا محاصرہ کرلیا، پھر اس پر منجنیقوں سے سنگ باری کی جس سے اس کی فصیل بے کار ہوگئی۔ اس میں موجود بدھ مت کی عبادت گاہ منہدم ہوگئی، چنانچہ وہ

[1] تاريخ خليفة بن خياط:304، و فتوح البلدان:424، و تاريخ الطبري:68/8، و الكامل:536/4.

مسجد محمد بن قاسم (سندھ) کے آثار

فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوگئے۔ وہاں کا حاکم فرار ہوگیا۔ مسلمانوں نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم سندھ میں شمال کی طرف بڑھے اور متعدد مقامات فتح کر لیے، پھر دریائے سندھ کے قریب سندھ کے حکمران راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی افواج کے درمیان ایک سخت معرکہ برپا ہوا جس میں راجہ داہر مارا گیا اور اس کا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ [1]

مسلمان سندھ کے علاقے فتح کرتے کرتے ملتان تک پہنچ گئے اور اسے بھی جنگ کر کے فتح کر لیا۔ وہاں بدھ مذہب کا عبادت خانہ تھا، سندھ کے عوام اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ مسلمانوں نے اسے منہدم کر دیا اور اس کے بت توڑ پھوڑ دیے۔ محمد بن قاسم ملتان میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شہر مسلمانوں کی مرکزی چھاؤنی

راجہ داہر کے قلعے کے گیٹ کے آثار (سندھ)

بن گیا۔ آپ نے جگہ جگہ مساجد تعمیر کروائیں۔ انتظامی، مالی اور دفاعی معاملات کو منظم کیا۔ اس طرح آپ مسلمانوں کے لیے سمندری سفر کو محفوظ بنانے میں کامیاب ہوگئے اور ان علاقوں میں اسلام پھیلنے لگا۔ [2]

96ھ میں جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو سندھ کی گورنری سے معزول کر دیا، چنانچہ یہاں کے حالات بگڑنے لگے۔ آخر جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں یہاں کے اکثر باشندے اور ان کے سردار مسلمان ہوگئے۔ سندھ میں بعض مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان کا علاقہ فتح کرنے کے لیے کئی بار حملے کیے۔ [3]

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 305، و فتوح البلدان: 426، و الکامل: 536/4. [2] تاریخ خلیفة بن خیاط: 307، و فتوح البلدان: 227، و الکامل: 539/4، 588. [3] فتوح البلدان: 429-433.

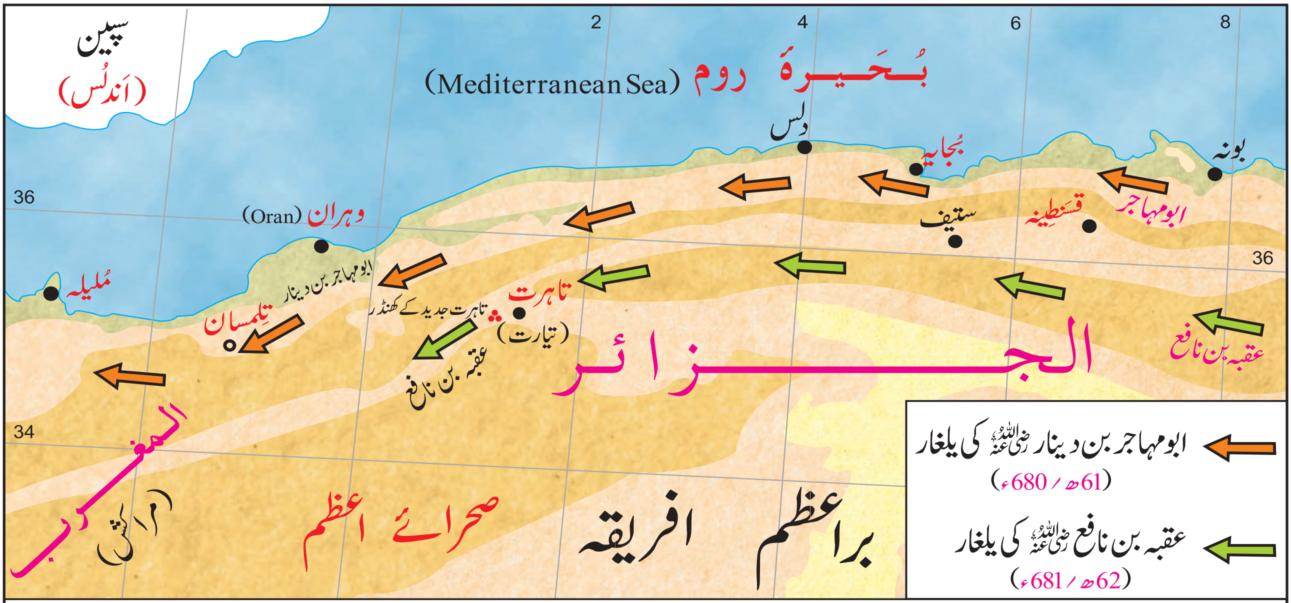

① اباضی خارجی ریاست کا دارالحکومت ”تاہرت جدید“ اب کھنڈروں کی شکل میں ہے۔ اسے 144ھ / 761ء میں اباضی خارجی امام عبدالرحمٰن بن رستم نے آباد کیا تھا اور جلد ہی یہ خارجیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا۔ عبدالرحمٰن کا جانشین امام عبدالوہاب بنا جس سے قرونِ وسطیٰ میں ”وہابیت“ کی اصطلاح موسوم ہوئی جو اباضی خارجی عقائد کی نشان دہی کرتی تھی لیکن عہد جدید میں برطانوی سامراج نے شرارت سے اسے عرب کے امامِ عقیدۂ توحید محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے منسوب کر دیا تاکہ ہندوستان میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد کو ہندوستانی مسلمانوں میں غیر معتبر ٹھہرایا جا سکے۔ تاہرت (Tihert) اب تیارت کہلاتا ہے جبکہ تاہرت جدید کے کھنڈر اس سے چھ میل جنوب مغرب میں واقع ہیں۔ ② مراکش کا شہر مُلیلہ (Melilla) 1497ء سے مسیحی سپین کے قبضے میں ہے۔ سقوطِ غرناطہ (1492ء) کے بعد اس پر ہسپانوی قابض ہو گئے تھے۔

المغرب (الجزائر اور مراکش) کی فتح (62ھ)

④ شمالی افریقہ کی فتوحات

جب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت مستحکم ہوگئی تو انھوں نے مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم جاری فرمایا کہ افریقیہ، یعنی شمالی افریقہ کی فتوحات مکمل کرنے کے لیے لشکر روانہ کریں، چنانچہ پہلا لشکر 41ھ میں سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔[1] انھوں نے کئی مقامات فتح کر لیے۔ سیدنا عقبہ بن نافع کے حملے 45ھ تک جاری رہے۔ اس کے بعد ان علاقوں میں فتوحات کی قیادت ”معاویہ بن خدیج سکونی“[2] نے کی جنھوں نے اسلامی افواج کی پیش قدمی کے لیے ”برقہ“ کو مرکز بنایا۔ انھوں نے ”قرن“ کا علاقہ فتح کیا جو قیروان کے قریب ہے۔ اور ”بنزرت“ بھی فتح کیا۔ ان فتوحات میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے۔ افریقہ کے ساحلی علاقوں کی فتوحات میں مصر سے روانہ ہونے والا اسلامی بحری بیڑا بھی شریک رہا۔

---

[1] اس سالار کے کارناموں کی مزید تفصیل کے لیے پڑھیے: محمود شیت خطاب کی کتاب ”قادۃ الفتح الإسلامي“ میں ”عقبۃ بن نافع الفهري“ کا باب۔ طبع دارالفکر، بیروت 1397ھ۔ [2] معاویہ سکونی کے والد حدیج تھے (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 243)۔ ان کا تعلق یمنی قبیلے ”سکون“ سے تھا۔ (م ف)

50ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو پہلی بار شمالی افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مسلمانوں نے جب سے شمالی افریقہ میں فتوحات شروع کی تھیں، سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس جہاد میں مسلسل شریک رہے تھے۔ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک نئے اسلامی شہر کی بنیاد رکھی تاکہ وہ مسلمان افواج کی مستقل چھاؤنی بنے۔ آپ نے قیروان کا شہر سمندر سے دور تعمیر کیا تاکہ وہ روم کے بحری بیڑے کے حملوں سے محفوظ رہے۔ یہ شہر مسلمانوں اور بربر قوم کے لوگوں کے درمیان نقطۂ اتصال بن گیا جو اس شہر میں آئے اور مسلمانوں سے میل جول کے نتیجے میں ان کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔

جامع مسجد قیروان کا مینار

55ھ میں سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ "ابو المہاجر بن دینار" کا تقرر کیا گیا۔ انھوں نے بربر قوم سے جنگ شروع کی۔ ان کے سردار کا نام کسیلہ تھا۔ مسلمانوں نے کسیلہ کو گرفتار کرلیا لیکن ابوالمہاجر نے اسے امان دے دی۔ کچھ عرصے بعد اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور ابوالمہاجر کے ساتھ مل کر قرطاجہ (Carthage) اور اس کے قرب و جوار میں بازنطینی قوم سے جنگ میں شریک ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت تیونس میں شامل ہے۔[1] ابوالمہاجر 62ھ تک شمالی افریقہ کا گورنر رہا، پھر یزید بن معاویہ نے اسے معزول کر دیا اور سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو دوبارہ شمالی افریقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔[2]

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ قیروان پہنچے اور وہاں کا نظام نئے سرے سے ترتیب دیا، پھر وہاں اپنی جگہ ایک اور شخص کو مقرر کر دیا اور فرمایا: "میں نے اپنی جان اللہ کے ہاتھ بیچ دی ہے (اور اللہ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ) میں ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا حتی کہ افریقہ کو کفر کے پنجے سے چھڑا لوں اور اسلام میں داخل کر دوں یا اسی راہ میں جان دے دوں۔"[3]

---

[1] فتوح البلدان: 230. [2] الرقيق القيرواني کی تاريخ أفريقية والمغرب: 40، والكامل: 4/105. [3] تاريخ أفريقية والمغرب: 41، والكامل: 4/105.

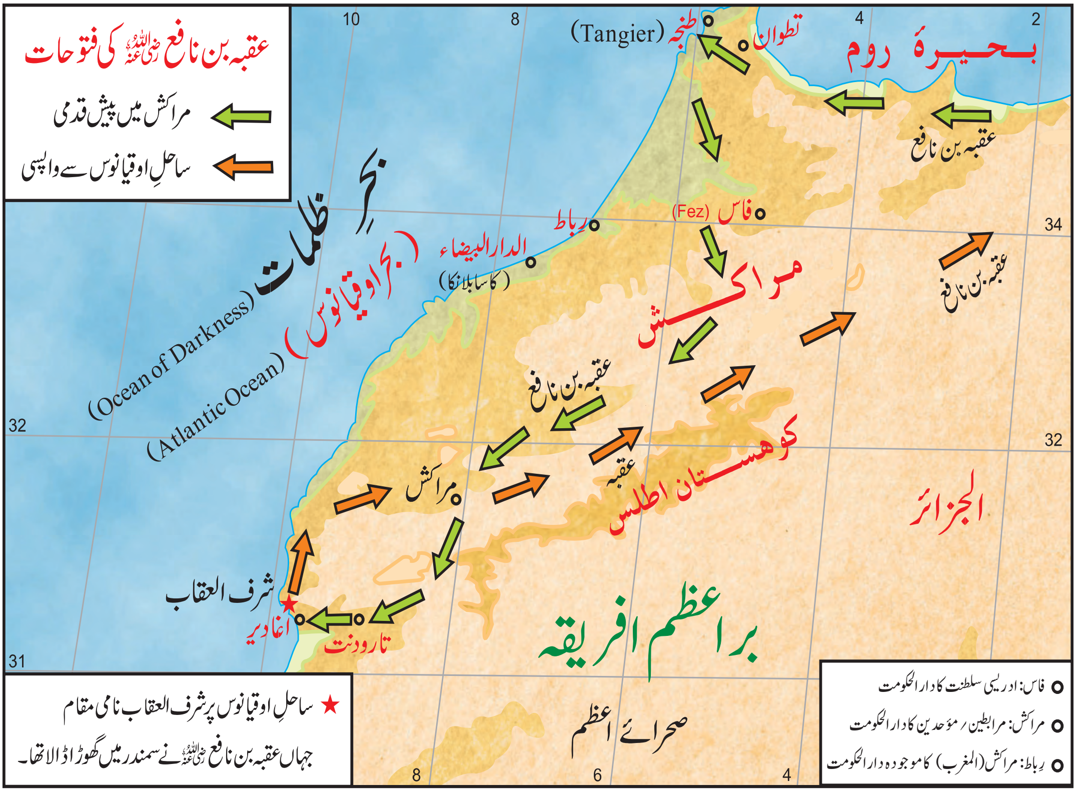

المغرب (مراکش) کی فتح (62ھ)

آپ مسلمانوں کا لشکر لے کر جہاد کے لیے نکلے اور الجزائر کے شہر بجایہ، قسنطینہ، تلمسان اور تاہرت فتح کر لیے، پھر مغرب اقصیٰ (مراکش) کی طرف رخ کیا اور اس کے شہر ایک ایک کر کے فتح کر لیے، حالانکہ بربروں اور رومیوں کی متحدہ افواج نے سخت مقابلہ کیا تھا یہاں تک کہ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے بڑھتے مراکش کے علاقے میں بحرِ ظلمات، یعنی بحرِ اوقیانوس کے ساحل تک جا پہنچے اور اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا۔[1] آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''یا اللہ! میری یہ تمنا ہے کہ پوری دنیا میں تیرے سوا کسی کی عبادت نہ ہو۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس سمندر کے پار بھی کوئی خشک زمین ہے تو میں وہاں بھی پہنچ کر تیرا عظیم نام بلند کرتا۔ یا اللہ! گواہ رہ کہ اب میں معذور ہوں (میرے لیے مزید آگے جانا ممکن نہیں)۔''[2]

---

[1] علامہ اقبال نے نظم ''شکوہ'' کے ایک شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے ... بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

[2] الکامل: 106/4.

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے المغرب (مراکش) کے دیہاتی علاقے سوس میں جہادی دستے بھیجے اور شمال میں سمندر پار اندلس پر فوج کشی کے بارے میں غور کیا لیکن انھوں نے وقتی طور پر دوبارہ قیروان آنے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں بربر کمانڈر کسیلہ بھی ساتھ تھا جو خود کو مسلمان ظاہر کرتا تھا لیکن اس کا سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوگیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ عقبہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اکیلے رہ گئے ہیں، تو موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ 63ھ میں شہید ہوئے۔ [1]

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بربر اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگئے اور انھوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی حتی کہ حالات اتنے خراب ہوئے کہ مسلمان شمالی افریقہ چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ قیروان چھوڑ کر مشرق میں برقہ چلے گئے اور قیروان وغیرہ پر کسیلہ کا قبضہ ہوگیا۔

جب عبدالملک بن مروان نے مسندِ خلافت سنبھالی تو انھوں نے ''زہیر بن قیس بلوی'' کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔ وہ 66ھ میں مسلمانوں کی ایک بڑی فوج لے کر قیروان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا مقابلہ کسیلہ کے علاوہ رومی اور بربر فوجوں سے بھی تھا۔ ایک شدید جنگ کے بعد کسیلہ قتل ہوگیا اور اس کی افواج ختم ہوگئیں۔ زہیر شمالی افریقہ کے اکثر علاقوں میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن مشرق میں رومیوں نے برقہ پر بحری حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ زہیر تھوڑے سے ساتھی لے کر ان کے مقابلے میں نکلے تو رومیوں نے انھیں شہید کر دیا۔ یہ 69ھ کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ [2]

اس کے بعد بربر ایک عورت کے گرد جمع ہوگئے جو کاہنہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس نے شمالی افریقہ کے اکثر حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت مسلمان ان فتنوں کو ختم کرنے میں مشغول تھے جو عبدالملک کے دورِ خلافت میں رونما ہوئے۔ جب مشرق میں حالات پرسکون ہوگئے تو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حسان بن نعمان کو فوج کا کمانڈر بنا کر شمالی افریقہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ آپ 74ھ میں تقریباً چالیس ہزار مجاہدین پر مشتمل فوج لے کر روانہ ہوئے۔ حسان نے اپنی تمام کوشش کو قرطاجنہ (قرطاجہ) کی فتح پر مرکوز کر دیا جو شمالی افریقہ میں رومیوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ طویل جنگوں کے بعد آخر 74ھ میں وہ اسے فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ [3] وہاں کے لوگوں نے چند ماہ بعد بغاوت کی کوشش کی لیکن حسان نے ان کی

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط:251، و أُسد الغابة:421/3، و سير أعلام النبلاء:534/3. [2] فتوح البلدان:231، و تاريخ أفريقيه والمغرب:53. [3] الكامل:369/4.

شورش ختم کر کے انھیں مناسب سزا دی۔ اس کے علاوہ آپ نے تیونس میں اور شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں میں رومیوں کے اہم مقامات فتح کر لیے اور ان علاقوں میں مساجد تعمیر کیں۔ [1]

اسی دوران میں حسان کے لشکر اور بربر قوم کے لشکر کے درمیان ''اُوراس'' کے پہاڑوں کے قریب ایک بہت بڑا معرکہ بپا ہوا جس میں غیر مسلموں کی قیادت کاہنہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بربروں نے کچھ مسلمان قید بھی کر لیے، اس لیے مسلمان مشرق کی طرف پلٹ آئے اور علاقے پر دوبارہ کاہنہ کا قبضہ ہو گیا۔ کاہنہ نے شمالی افریقہ پر چار سال حکومت کی۔ اس دوران میں مسلمان شمالی افریقہ کو دوبارہ فتح کرنے کی تیاری کرتے رہے۔ کاہنہ کو اس کی اطلاع مل گئی تھی لیکن وہ سمجھتی تھی کہ مسلمانوں کا ان علاقوں کی فتح سے مقصد محض لوٹ مار (اور دولت کا حصول) ہے، چنانچہ اس نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ ملک کو مکمل طور پر برباد کر دیا جائے تاکہ مسلمان اس پر قبضہ کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ انھوں نے شہروں کو ویران کر دیا، قلعے گرا دیے، درخت کاٹ دیے اور فصلیں اجاڑ دیں حتی کہ پورا ملک ویران

---

[1] تاريخ أفريقية والمغرب:56، والكامل:4/370.

ہوگیا۔ اکثر افریقی باشندے اندلس وغیرہ کی طرف کوچ کر گئے۔ جو باقی بچے، وہ اس انتظار میں تھے کہ مسلمان آئیں اور وہ انھیں اس ظالمانہ تخریب کاری سے نجات دلائیں۔ [1]

حسان بن نعمان دوسرے حملے کے لیے 80ھ میں روانہ ہوئے۔ علاقے کے افریقیوں اور رومیوں نے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ وہ کاہنہ کے تسلط سے آزادی چاہتے تھے۔ حسان اس ملک میں آگے بڑھتے گئے حتی کہ کاہنہ اور اس کے لشکر کو جالیا۔ فریقین کے درمیان برقہ کے مقام پر شدید جنگ ہوئی جس میں کاہنہ قتل ہوگئی اور اس کا لشکر منتشر ہوگیا۔ یہ 82ھ کا واقعہ ہے۔ [2] اس طرح حسان کی قیادت میں شمالی افریقہ نے آزادی حاصل کر لی۔ بربروں کی بڑی بڑی جماعتیں مسلمان ہوگئیں۔ کاہنہ کے دونوں بیٹے بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا، حتی کہ اس علاقے کے قریب پہنچ گئے جسے آج کل موریتانیا کہتے ہیں۔ مسلمانوں نے بربر عوام کو اسلام کی تعلیم دی اور ان کے لیے مسجدیں بنوائیں، چنانچہ وہ سچے دل اور جوش و جذبے سے اسلام میں داخل ہوگئے، پھر حسان نے شمالی افریقہ کا نظم و نسق مرتب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے دیوان (رجسٹر) تیار کروائے، خراج کا نظام مرتب کیا، سڑکیں بنوائیں اور ایک بحری بیڑا تیار کرنا شروع کیا جو رومیوں کے سمندری حملوں کی روک تھام کر سکے۔ جب افریقیہ میں حالات پرامن ہوگئے تو 89ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے حسان بن نعمان کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو مقرر کیا گیا۔ [3]

موسیٰ کے دورِ حکومت میں کچھ بربر جماعتوں نے بغاوت کی کوشش کی لیکن موسیٰ نے ان کی سرکوبی کر کے ملک میں نظم و نسق بحال کر دیا۔ اب پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں بربر مسلمان ہوئے۔ انھوں نے ملکی انتظام میں ان سے مدد لی اور ان میں سے بعض افراد کو انھی کی قوم کے امیر مقرر کر دیا۔ انھوں نے عربوں کی ایک جماعت کو مغرب اقصیٰ (مراکش) میں بسایا اور اپنے آزاد کردہ ”طارق بن زیاد“ کو طنجہ کا گورنر مقرر کر دیا اور قریبی علاقوں کا نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا، [4] چنانچہ موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ کے دور میں حالات پرامن رہے اور علاقے کے عرب مسلمان اور بربر مسلمان نئی فتوحات کی امید کرنے لگے۔

---

[1] تاریخ أفریقیة والمغرب: 57-61، و الکامل: 371,370/4. [2] تاریخ أفریقیه والمغرب: 64، مصنف کے نزدیک کاہنہ کی موت غالباً 74ھ میں ہوئی جو بظاہر غلط ہے۔ الکامل: 371/4 میں ابن اثیر نے اشارہ کیا ہے کہ وہ 74ھ میں مسلمانوں کی شکست سے چار سال بعد قتل ہوئی تھی۔ [3] تاریخ خلیفة بن خیاط: 302، و تاریخ أفریقیة والمغرب: 65، و الکامل: 539/4. [4] فتوح البلدان: 232، و تاریخ أفریقیة والمغرب: 69.

⑤ اندلس کی فتح (92ھ)

اندلس کی فتح کو فتوحات کی عمومی تحریک کی توسیع سمجھا جاسکتا ہے جس کا اولین مقصد اسلام کو تمام انسانوں تک پہنچانا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے پُرامن دورِ حکومت میں حالات فتوحات کے لیے سازگار تھے۔ اس وجہ سے سرکاری اور عوامی سطح پر توجہ جہاد کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس کے علاوہ افریقہ کے حالات بھی پُرسکون تھے اور وہاں کے مسلمان جہاد کے خواہش مند تھے۔ اس وقت اندلس پر قوط (Goth) قوم کی حکومت تھی۔ ان کے بادشاہ کا نام راڈرک تھا۔ اندلس کے عوام اپنے حکمرانوں کے سخت ظلم و ستم کا شکار تھے۔ جب وہاں کے لوگوں کو خبریں ملیں کہ مسلمانوں نے افریقیہ میں انتظامی معاملات درست کر دیے ہیں اور وہ لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، تو ان میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ جائیں۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ جس قسم کی مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اس سے نجات کی صرف یہی صورت ہے۔ [1]

دوسری طرف مسلمان بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے اندلس کو فتح کرنے کی سوچ رکھتے تھے کیونکہ اس وقت مسلمانوں کا بحری بیڑا وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ مزید برآں بہت سے بربر اپنی خوشی سے مسلمان ہوچکے تھے اور ان میں سے بعض کو شمالی افریقہ میں انتظامی اور فوجی عہدوں پر فائز کیا گیا تھا، اس لیے وہ اسلام کو پھیلانے اور نئے علاقے فتح کرنے کا شدید جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے اندلس ہی وہ قریب ترین علاقہ تھا جسے وہ فتح کر سکتے تھے۔

---

[1] تاریخ أفریقیة و المغرب:73، و الکامل:561,560/4، ساحلِ افریقہ پر سبتہ کے ہسپانوی گورنر کاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا کا واقعہ بھی تاریخوں میں مذکور ہے جو طلیطلہ کے شاہی محل میں پرورش پا رہی تھی اور عیاش راڈرک نے اس کی عزت لوٹ لی تھی۔ کاؤنٹ جولین کو شدید صدمہ ہوا اور جب طلیطلہ میں ملاقات کے دوران راڈرک نے اس سے چند افریقی باز بھیجنے کو کہا تو جولین نے جواب دیا کہ میں ایسے باز بھیجوں گا جن کی مثال نہیں۔ اس کا اشارہ مسلم مجاہدین کی طرف تھا، چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو سپین پر حملے کی ترغیب دی اور اس کے لیے کشتیاں بھی فراہم کر دیں۔ (م ف)

افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا، چنانچہ 91ھ میں انھوں نے طریف بن مالک کی قیادت میں پانچ سو افراد پر مشتمل چھوٹا سا دستہ بھیجا۔ وہ سمندر پار کر کے اندلس پہنچے اور اس کے جنوبی علاقے میں کامیاب کارروائیاں کیں اور مالِ غنیمت سے لدے

پھندے بخیریت واپس آگئے۔ اس سے موسیٰ کو حوصلہ ہوا کہ فتح حاصل کرنے کے لیے بڑا حملہ کریں۔ [1]

[1] الکامل: 561/4، و نفح الطیب: 230,229/1.

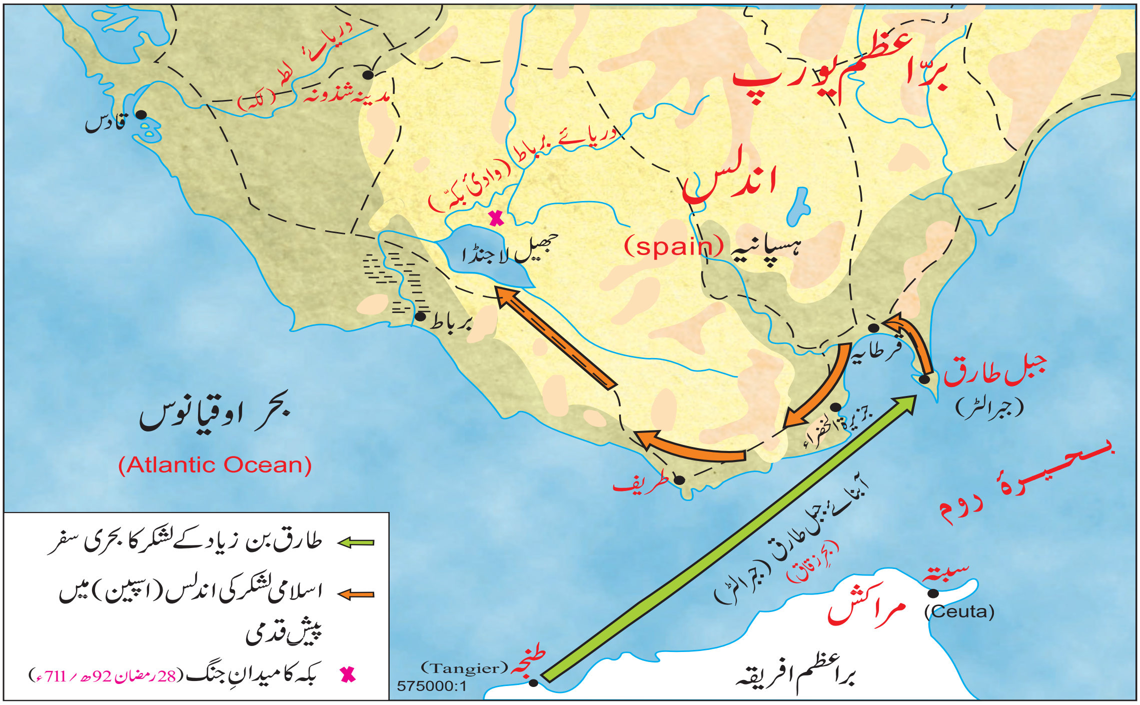

وادئ بکہ کی جنگ (92ھ) اور فتح (مدینہ) شذونہ

بائیں: جبل الطارق (جبرالٹر)، قصبہ جبرالٹر اور خلیج جبرالٹر
دائیں: قصبہ لالینیا (سپین)

طارق بن زیاد کا حملہ

طارق بن زیاد ایک بربر کمانڈر تھے۔ شمالی افریقہ کے انتظامی معاملات میں موسیٰ بن نصیر اس پر اعتماد کرتے تھے۔ وہ بہادر، دیانت دار اور مخلص مسلمان ہونے کی شہرت رکھتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کرنے کے لیے انھیں بارہ ہزار سپاہیوں کی فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ طارق اپنی افواج کے ساتھ سمندر پار کر کے اندلس کے ساحل پر جا اُترے۔ اس مہم میں سبتہ کے حاکم جولین نے ان کی مدد کی۔ بحری جہاز واپس آ گئے۔ [1]

طارق نے اپنی افواج کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انھیں جہاد کی ترغیب دی اور اللہ سے ثواب اور اخروی انعامات حاصل کرنے کا شوق بیدار کیا۔ [2] اس کے بعد انھوں نے کئی مقامات فتح کر لیے۔ کئی معرکوں میں ''قوط'' قوم کا مقابلہ کیا۔ اس وقت سپین کا بادشاہ راڈرک ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج لے کر جنوب کی طرف بڑھا اور مسلمانوں کے مقابل آ گیا جن کی قیادت طارق بن زیاد کر رہے تھے۔

---

1 تاريخ خليفة بن خياط: 304، و تاريخ أفريقية والمغرب: 74، و الكامل: 562/4، و نفح الطيب: 231/1.

2 بہت سے مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا دی تھیں۔ یہ قصہ ثابت نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کی کتاب قضية إحراق طارق بن زياد السفن بين الأسطورة والتاريخ، طبع دارالصحوة، قاهره 1407ھ۔

جبل الطارق (جبرالٹر، برطانیہ)

جبل الطارق اور مسجد جبل الطارق (یورپا پوائنٹ، جبرالٹر)

وادی لکّہ [1] (شذونہ) کی جنگ (28 رمضان 92ھ)

طارق بن زیاد کی فوج کے اکثر سپاہی بربر تھے۔ اس میں عربوں کی تعداد صرف تین سو تھی۔ ہسپانویوں کے بادشاہ راڈرک نے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو جائے اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ اس نے کچھ عرصہ مسلمانوں میں گزارنے کے بعد واپس جا کر رپورٹ پیش کی جس میں اس نے یہ بھی کہا تھا: ''تیرے پاس وہ لوگ آئے ہیں جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ تیرے ملک پر قبضہ کر لیں یا موت قبول کر لیں۔ وہ میدانوں میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور انھوں نے ثابت قدمی کا پورا عزم کر رکھا ہے۔ ہمارے علاقے میں ان کے پاس بھاگ کر پناہ لے لینے کی کوئی جگہ نہیں، نہ ان کے پاس جہاز ہیں جن کا انھیں سہارا ہو۔'' راڈرک اس رپورٹ سے پریشان ہوگیا۔ اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجیں تیار کرنا شروع کر دیں۔ اس کی فوج چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ [2] اس لیے طارق بن زیاد کو افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر سے مدد طلب کرنا پڑی۔ انھوں نے پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل امدادی لشکر

---

[1] معروف محقق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ہسپانیہ کے جنوب مغربی گوشے میں دو دریا بہتے ہیں: ایک دریائے لطہ یا لکّہ (Guadalete)، دوسرا دریائے برباط یا بکّہ۔ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ طارق اور راڈرک میں فیصلہ کن جنگ البحیرہ (جھیل لا جنڈا) کے قریب وادئ بکّہ کے کنارے ہوئی تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 18/1) [2] راڈرک کی فوج کے ''ایک لاکھ'' یا ''40 ہزار'' ہونے کے مؤرخین کے مختلف اندازے ہی ہیں۔ اصل تعداد ان دونوں کے درمیان تھی۔ (م ف)

بھیج دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہوگئی۔ [1] جبکہ راڈرک کے ساتھ کئی گاڑیاں جنگی ساز و سامان سے لدی ہوئی تھیں۔ تین خچر ایک دوسرے سے ملا کر ان پر تخت رکھا گیا تھا جس پر راڈرک بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر موتیوں اور یاقوت سے مزین ایک چھتر تھا اور اس نے موتیوں والا جوڑا پہن رکھا تھا۔ [2]

ان کے ساتھ کئی جانوروں پر صرف رسیاں لدی ہوئی تھیں تاکہ مسلمان قیدیوں کو باندھنے کے کام آئیں کیونکہ انھیں مسلمانوں پر فتح پانے، پھر انھیں قید یا قتل کرنے میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سپین والوں کے پاس سامانِ حرب زیادہ تھا۔ انھیں علاقے کی زمینی صورتِ حال اور وہاں کے راستوں کا زیادہ علم تھا۔ ان کی غذائی ضروریات بھی قریب ہی سے پوری ہوسکتی تھیں۔ گویا تمام ظاہری اسباب ان کے حق میں تھے۔

دونوں لشکر اندلس کے جنوب مغربی حصے میں شذونہ کے قریب وادی بکّہ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ جنگ 28 رمضان 92ھ اتوار کو شروع ہوئی اور آٹھ دن جاری رہی۔ مسلمانوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ اس دوران میں تین ہزار مجاہدین شہید ہوئے جو لشکر کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ تھے، باقی ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔

طارق بن زیاد کے کیا کہنے! وہ تو مجاہدین کی ان جماعتوں کی ترجمانی کرتے ہوئے گویا یوں کہہ رہے تھے:

وَلَسْنَا نُبَالِي كَيْفَ سَالَتْ نُفُوسُنَا   إِذَا نَحْنُ أَدْرَكْنَا الَّذِي كَانَ أَجْدَارَا

---

[1] الكامل: 562/4. [2] تاريخ أفريقية والمغرب: 75، و نفح الطيب: 223/1، 240.

قادس (اندلوسیہ، سپین) غروبِ آفتاب کے وقت

مسجد قرطبیہ کا لاجواب اندلسی فنِ تعمیر

''ہمیں پروا نہیں کہ ہماری روحوں نے کس طرح پرواز کی۔ جب ہم نے وہ (فتح) حاصل کر لی جو ہمارے لائق تھی۔'' [1]

اس معرکے میں اسلامی لشکر کو ایمان کی پختگی، موت سے محبت، شہادت کی تمنا، اتحاد و اتفاق، ثابت قدمی اور حسب استطاعت مادی طاقت کی دستیابی ایسی خوبیوں کے باعث دشمن پر برتری حاصل تھی۔ یہ خوبیاں تمام مادی طاقتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں جو بظاہر ہسپانویوں کے حق میں تھیں۔ جنگ ختم ہوئی تو مسلمان فتح یاب ہو چکے تھے اور ہسپانیہ کا بادشاہ راڈرک قتل ہو چکا تھا اور ہزاروں ہسپانوی انھی رسیوں میں جکڑے جا چکے تھے جو انھوں نے مسلمانوں کے لیے تیار کی تھیں۔

اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے لیے باقی اندلس فتح کرنے اور اس میں اسلام پھیلانے کی راہ ہموار ہوگئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سپین کے اصلی باشندے اپنے حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں سے تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کیونکہ وہ اسلام کے عدل اور مسلمانوں کی کشادہ ظرفی سے واقف ہو چکے تھے۔

طارق نے اس فتح پر اکتفا نہ کی بلکہ ہسپانیہ کے دوسرے شہروں کی فتح کے لیے اقدامات شروع کر دیے۔

[1] نفح الطیب:1/365.

انھوں نے مسلمانوں کے خلاف شدید مزاحمت کی، تاہم طارق نے اشبیلیہ اور قرطبہ کے شہر فتح کر لیے۔ اس کے بعد طارق کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ لشکر کے ہر حصے نے الگ الگ علاقے فتح کیے اور آخر میں دونوں لشکر طلیطلہ کے مقام پر آ ملے اور مسلمان اسے بھی فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ [1]

اس دوران میں طارق بن زیاد ان تمام فتوحات کے بارے میں موسیٰ بن نصیر کو خط لکھ لکھ کر اطلاع دے رہے تھے، چنانچہ موسیٰ نے سوچا کہ وہ خود بھی اس فتح میں شریک ہو کر ثواب حاصل کرے اور طارق کی مہم میں اس کی مدد کرے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اندلس کا علاقہ بہت وسیع تھا۔ ملک میں دور دراز بکھرے ہوئے متعدد مقامات کو فتح کرنے کے لیے زیادہ افواج کی ضرورت تھی۔ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ طارق کے مفتوحہ جن علاقوں نے بغاوت کی کوشش کی تھی، وہاں ان کے قدم مضبوط کیے جائیں۔

موسیٰ بن نصیر کا حملہ

موسیٰ بن نصیر نے ایک امیر کو افریقہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود دس ہزار فوج لے کر اندلس پہنچ گئے۔ یہ رجب 93ھ کا واقعہ ہے۔ انھوں نے ایلچی کو طارق کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ فتوحات میں جلد بازی

[1] تاریخ أفریقیة والأندلس:76، والکامل:564,563/4، وتاریخ الأندلس:135، ونفح الطیب:260/1.

قصر اشبیلیہ (اندلس) میں خوبصورت باغیچہ

مار دہ (اندلس) میں قدیم رومی آب گزار کے آثار

سے کام نہ لے، بلکہ کچھ توقف کرے کیونکہ بعض مفتوحہ علاقے بغاوت کر چکے تھے۔ موسیٰ نے وہ راستے اختیار کیے جن پر طارق نے سفر نہیں کیا تھا تاکہ وہ نئے مقامات فتح کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ موسیٰ نے اشبیلیہ میں بغاوت ہو جانے کے بعد اسے دوبارہ فتح کیا، پھر ماردہ کی طرف پیش قدمی کی اور کئی ماہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، پھر اشبیلیہ والوں نے معاہدہ توڑ دیا، تو موسیٰ کو اسے تیسری بار فتح کرنا پڑا، پھر وہ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوئے۔[1]

طلیطلہ کے قریب موسیٰ طارق بن زیاد سے جا ملے۔ دونوں فاتحین نے آیندہ فتوحات کے بارے میں

[1] تاریخ أفریقیة والأندلس: 78، و تاریخ الأندلس: 147، 148، 155.

طلیطلہ (اندلس) کے قدیم شہر کا ایک منظر

تبادلۂ خیال کیا اور آخر کار ایک خاص منصوبے پر اتفاق کر لیا، پھر دونوں کمانڈروں نے شمالی سپین میں پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ یکے بعد دیگرے شہر فتح ہونے لگے، مثلاً: شمال میں سرقسطہ، وشقہ اور لاردہ حتی کہ مسلمان اندلس کے شمال میں برانس (Pyrenees) کے پہاڑوں تک جا پہنچے جو فرانس کی جنوب مغربی سرحد پر ہیں۔ [1] اس طرح مسلمانوں نے سپین کا اکثر حصہ فتح کر لیا۔

95ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو اندلس چھوڑ کر شام جانا پڑا۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اندلس کے مشرق میں بعض علاقوں کی فتح مکمل کی۔ اب اندلس کے شمال مغربی کونے میں کچھ پہاڑی مقامات رہ گئے تھے جو مسلمانوں نے فتح نہیں کیے تھے۔ اس وجہ سے ہسپانوی عیسائی وہاں جمع ہونے لگے اور آہستہ آہستہ وہاں ایک عیسائی قوت بن گئی جنھوں نے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی اور اُن کو اندلس سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ [2]

مسلمانوں نے سپین فتح کرنے کے بعد اندلس سے فرانس اور مغربی یورپ میں بھی پیش قدمی کی کوششیں کیں۔ [3]

---

[1] نفح الطيب: 269/1، 273. [2] تاريخ الأندلسي: 125. [3] اس موضوع پر تفصیلات کے لیے دیکھیے: امیر شکیب ارسلان کی «تاريخ غزوات العرب في فرنسا وسويسرا وايطاليا وجزائر البحر المتوسط» (فرانس، سوئٹزرلینڈ، اٹلی اور بحیرۂ روم میں عربوں کے حملوں کی تاریخ)

فرانس میں قدیم قلعہ کولیور کا ایک منظر

بلاط الشہداء (میدانِ شہیداں) 114ھ

مسلمان اندلس کے مختلف معاملات کو منظم کرتے رہے اور ایک کے بعد دوسرا گورنر مقرر ہوتا رہا۔ ان میں سے زیادہ حضرات کی توجہ جہاد کو جاری رکھنے اور نئے علاقے فتح کرنے پر مرکوز رہی۔ ان میں سے جو حضرات زیادہ مشہور ہوئے، ان میں ''سمح بن مالک خولانی'' بھی تھے۔ انھوں نے بڑی تعداد میں مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور 102ھ میں جبل برتات، یعنی برانس کے پہاڑ عبور کر کے جنوب مغربی فرانس میں جسے بلاد الافرنجہ (فرنگیوں کا ملک) یا غال (Gaul) بھی کہتے ہیں، فاتحانہ داخل ہوگئے۔ انھوں نے علاقے کے کئی شہر اور اہم مقامات فتح کر لیے اور ''تولوز'' کے شہر تک پہنچ گئے۔ اس جنگ میں ''عبدالرحمٰن غافقی'' بھی ان کے ساتھ تھے۔ اکتانیہ کے حاکم ''ڈیوک ڈیو'' اور مسلمان افواج کے درمیان شدید جنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے شہادت پائی جن میں ان کے سالار ''سمح بن مالک خولانی'' سرفہرست تھے۔ کثیر تعداد کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن غافقی باقی ماندہ افواج کو منظم کر کے برانس کے پہاڑوں کی جنوبی طرف نکال لائے۔[1]

ان کے بعد عنبسہ بن سحیم کلبی اندلس کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنے پیش رَو حضرات کی طرح اس علاقے میں جہاد جاری رکھا حتی کہ 107ھ میں وہ بھی جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔[2]

112ھ تک اندلس کا کوئی خاص گورنر نہیں رہا۔ البتہ عبدالرحمٰن غافقی ہی اندلس کی انتظامی ذمہ داریاں

---

[1] نفح الطیب:3/15، و تاریخ غزوات العرب:71، و التاریخ الأندلسی:185. [2] نفح الطیب:3/16.

سنبھالے رہے۔ ان کا عزم تھا کہ فرنگیوں کے ملک میں، یعنی فرانس کے جنوبی حصے میں دوبارہ فتح حاصل کی جائے۔ بالخصوص اس لیے بھی وہ پرعزم تھے کہ انھوں نے سمح بن مالک خولانی کے دور میں جہاد کیا تھا۔ اس طرح آپ وہاں کے لوگوں سے جہاد کا عملی تجربہ اور معلومات رکھتے تھے۔

عبدالرحمٰن غافقی اپنے زُہد و تقویٰ، نیکی اور قوتِ ایمانی میں مشہور تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''اگر آسمان اور زمین آپس میں مل جائیں، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے لیے ان میں سے بھی نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔'' [1]

امیر غافقی نے جنوبی فرانس میں برانس کے پہاڑوں سے آگے جہاد کے لیے ایک عظیم لشکر تیار کیا۔ اس کے لیے ضروری سامان اور اسلحہ مہیا کیا اور 112 ھ میں جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس علاقے میں ایک سال سے زیادہ عرصے میں متعدد جنگیں کیں جن میں سے کئی جنگوں میں فتح یاب ہوئے۔ اس عرصے میں فرنگی چارلس مارٹل کی قیادت میں ایک مضبوط لشکر کی تیاری میں مصروف رہے تاکہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ جب موسم سرما شروع ہوا تو وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے گئے۔ جنگ کا مقام مسلمانوں کے ہاں **بَلَاطُ الشُّهَدَاءِ** (میدانِ شہیداں) کے نام سے مشہور ہوا، جبکہ فرانسیسی اسے ''تیر بواتے'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نام فرانس کے دو شہروں کی مناسبت سے مشہور ہوا جن میں سے ایک کا نام ''تیر'' (Tours) اور دوسرا ''بواتے'' (Poitiers) تھا۔ یہ جنگ ان دو شہروں کے درمیان ہوئی تھی۔

فرنگی لشکر کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ ان کے پاس سامانِ حرب بھی زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ علاقے کی زمین سے اور اس کی جغرافیائی کیفیات سے خوب واقف تھے اور سرد آب و ہوا کو برداشت کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے باوجود مسلمان کئی دنوں تک بے نظیر شجاعت سے جنگ کرتے رہے۔ آخر مسلمانوں پر فرنگیوں کے غلبے کے آثار نظر آنے لگے۔ مسلمانوں نے اپنی بکھری ہوئی فوجوں کو جمع کرنے کی

---

[1] الکامل: 174/5.

پواتیہ (وسطی فرانس) کا ایک منظر

جنگ تورز میں چارلس مارٹل نے یورپ میں اسلامی فتوحات روک دیں

کوشش کی۔ ابھی مسلمانوں کی افواج پوری طرح یکجا نہیں ہو پائی تھیں کہ ان کے سالار عبدالرحمٰن غافقی شہید ہو گئے جس سے مسلمانوں کے لشکر کی ثابت قدمی متاثر ہوئی۔ انھوں نے فرنگیوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ بہت سے مسلمان شہید ہوگئے۔ [1] بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ مسلمان فوج کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا تھا۔ [2]

فرانسیسی مصنّفین نے اس معرکے کو بہت اہمیت دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں پر عیسائیوں کی اس فتح نے مغربی یورپ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ غافقی کے بعد بھی مسلمانوں نے جنوبی فرانس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی بلکہ وہ جنوبی فرانس میں بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ [4]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ بنوامیہ کے دورِ حکومت میں جب بھی اسلامی سلطنت کی اندرونی مشکلات کم ہوتی تھیں تو فتوحات کا سلسلہ تیز ہو جاتا تھا۔ اسے دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تب بھی درست ہے، یعنی جب بھی مسلمان جہاد اور فتوحات میں مشغول ہوتے تھے، ان کی داخلی مشکلات کم ہو جاتی تھیں اور جب وہ جہاد سے رُکتے تھے تو فتنے سر اٹھا لیتے تھے اور شورشیں شروع ہو جاتی تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور فتوحات کا روشن دور تھا۔ اسی طرح اموی دور میں ولید بن عبدالملک کا دورِ حکومت فتوحات کا سنہری دور ہے جب سندھ، اندلس اور ماوراء النہر میں نئے نئے علاقے فتح ہوئے۔ جب ہم اموی دور کا تقابل اس سے پہلے یا پچھلے ادوار سے کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے اس سے پہلے خلافت راشدہ کے دور کے سوا اور بعد کے زمانوں میں عثمانی دور کے سوا، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ الغرض یہ تین دور اسلامی توسیع اور فتوحات کے اہم ترین دور ہیں۔

---

[1] التاريخ الأندلسي: 198. [2] نفح الطيب: 15/3. [3] تفصیل کے لیے دیکھیے: تاريخ غزوات العرب: 98-102، و التاريخ الأندلسي: 199. [4] الكامل: 181/4.

باب 4

عباسی خاندان کا دورِ حکومت

(132ھ تا 656ھ)

عباسی خاندان کا دورِ حکومت

(132ھ تا 656ھ)

بنوعباس کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات

عباسی دور حکومت 132ھ سے 656ھ تک محیط ہے۔ اس عرصے میں قوت اور ضعف کے مختلف مرحلے آتے رہے۔ علاوہ ازیں عباسی حکومت میں ایک نمایاں مظہر عالم اسلامی کے مختلف علاقوں میں مختلف اسلامی ممالک کی موجودگی ہے جن میں سے بعض خلافتِ اسلامی سے وفاداری کا اظہار کرتے تھے اور بعض اس سے مکمل طور پر آزاد تھے بلکہ بعض اوقات مخالف بھی رہے۔ ان میں سے بہت سے ممالک کی اپنی اپنی فتوحات اور جہادی تحریکیں ہیں۔ عباسی خلفاء یا امراء نے جن فتوحات میں براہِ راست کردار ادا کیا، ان کی تعداد گزشتہ یا آیندہ زمانوں کے مقابلے میں انتہائی محدود ہے۔ البتہ عباسی خلفاء اسلامی سلطنت اور اس کی سرحدوں کی حفاظت میں تقریباً کامیاب رہے۔ انھیں سب سے زیادہ رومی سلطنت سے، پھر دوسری ہمسایہ سلطنتوں سے دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں۔

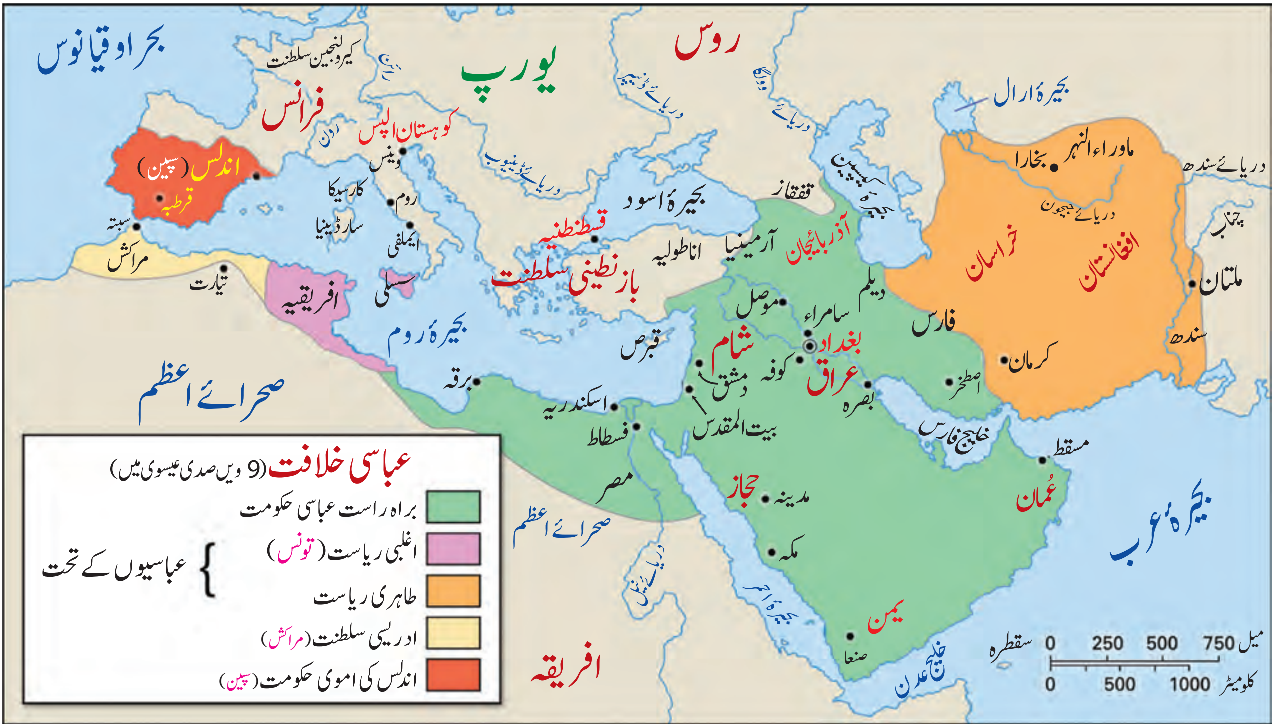

① رومیوں سے جنگیں

عباسیوں نے اپنے دورِ حکومت میں، خاص طور پر پہلے عباسی دور میں بازنطینی رومیوں سے کئی جنگیں کیں۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں دو جنگیں زیادہ اہم ہیں جو ہارون الرشید کے دورِ حکومت (170ھ تا 193ھ) میں ہوئیں۔ اس نے رومی سرحدوں پر اسلامی محاذوں کو مضبوط کرنے کے لیے یہاں فوجیں رکھیں۔ اسے دوسرے صوبوں سے الگ کر کے ایک صوبہ بنا دیا جو رومی سرحد کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ اس صوبے کا نام ''العواصم'' رکھا گیا۔ انھوں نے یہاں کثرت سے قلعے تعمیر کیے۔ مسلمان بنوامیہ کے دور ہی سے موسم گرما اور موسم سرما میں جنگیں کرتے آئے تھے جو صوائف (گرمائی لشکر) اور شواتی (سرمائی لشکر) کے نام سے معروف تھے۔[1] عباسیوں نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ 181ھ میں رومیوں سے جنگ میں خلیفہ ہارون الرشید بذاتِ خود شریک ہوئے۔ جس کے نتیجے میں ملکہ ایرین کو مسلمانوں سے صلح کرنے کے لیے جزیہ ادا کرنا پڑا اور ہارون نے اس کی یہ پیشکش تسلیم کر لی۔

---

[1] فتوح البلدان: 167.

187ھ میں ملکہ ایرین کو حکومت سے الگ کر دیا گیا، اس کی جگہ نقفور (Nicephorus) رومیوں کا نیا بادشاہ بن گیا۔ اس نے مسلمانوں سے کی ہوئی صلح توڑ دی۔ ہارون الرشید کے نام ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ اس نے لکھا: ''نقفور، شاہِ روم کی طرف سے، عربوں کے بادشاہ ہارون کے نام۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ تھی، اس نے تجھے (شطرنج کے مہرے) شاہ رُخ[1] کا مقام دیا تھا اور خود (شطرنج کے مہرے) پیادے کی جگہ آ گئی تھی۔ اور اس نے تجھے اتنی رقم (خراج کے طور پر) ادا کر دی، جس قدر تجھے چاہیے تھی کہ تو اسے ادا کرتا۔ لیکن یہ نسوانی حماقت اور کمزوری کا اظہار تھا۔ جب تجھے میرا خط ملے تو اس سے حاصل کیا ہوا مال واپس کر دے اور اپنی جان کے فدیے کے طور پر اتنی رقم مزید ادا کرو۔ ورنہ ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔''

جب ہارون نے یہ خط پڑھا تو غصے سے ان کی ایسی حالت ہوگئی کہ اس سے درباری گھبرا گئے، پھر انھوں نے قلم دوات منگوا کر نقفور کے خط کی پشت پر لکھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مومنوں کے امیر ہارون کی طرف سے رومیوں کے کتے نقفور کے نام۔ اے بدکار عورت کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے۔ جواب وہ نہیں جو تو سنے گا، جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا۔''[2]

ہارون الرشید کو جس دن خط ملا تھا، وہ اسی دن فوجیں لے کر رومیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوگئے۔

---

[1] مصنف نے رخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ ایک شکاری پرندہ ہے جو دوسرے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ [2] تاریخ الطبري: 92/10، و الکامل: 184/6.

توپ کاپی محل (استنبول) کے صحنِ اوّل میں سینٹ آئرین کا گرجا

بِتولا اور ہرقلہ (ہرقلیہ) کا قدیم شہر

وہ ہرقلہ کی طرف بڑھے، جو رومیوں کا ایک بڑا شہر تھا اور اسے فتح کر لیا۔ وہاں سے انھیں بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا، پھر وہ رومیوں کے علاقے میں اِدھر اُدھر حملے کرتے رہے حتیٰ کہ نقفور مجبور ہوگیا کہ ذلیل ہو کر ہارون سے صلح کرے اور نیا معاہدہ کرے، چنانچہ ہارون واپس ہوگیا۔ لیکن ہارون ابھی راستے ہی میں تھا کہ نقفور نے معاہدہ ختم کر دیا۔ سردی کا موسم تھا۔ ہارون کے درباریوں کو اسے نقفور کی عہد شکنی کی اطلاع دیتے ہوئے خوف محسوس ہوا، چنانچہ انھوں نے ایک شاعر سے کہا کہ وہ ایک قصیدہ کہے، اس کے ضمن میں ہارون کو یہ اطلاع دے، شاید اس طرح بادشاہ کو غصہ کم آئے۔ اس قصیدے میں شاعر نے کہا:

نَقَضَ الَّذِي أَعْطَيْتَهُ نَقْفُورُ وَعَلَيْهِ دَائِرَةُ الْبَوَارِ تَدُورُ

اَبْشِرْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ فَتْحٌ أَتَاكَ بِهِ الْإِلٰهُ كَبِيرُ

فَتْحٌ يَزِيدُ عَلَى الْفُتُوحِ، يَؤُمُّنَا بِالنَّصْرِ فِيهِ لِوَاؤُكَ الْمَنْصُورُ

”نقفور نے آپ کا معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر تباہی آنے والی ہے۔ امیر المومنین! آپ کو خوشخبری ہو۔ یہ ایک بڑی فتح ہے جو آپ کو اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ یہ فتح سب فتوحات سے بڑھ کر ہے جس میں آپ کا فاتح جھنڈا ہماری قیادت کر رہا ہے۔“

اس کے بعد قصیدے کے مزید اشعار ہیں۔ ہارون نے جونہی یہ قصیدہ سنا، وہ نقفور اور اس کی فوج کو سزا دینے کے لیے ایک بار پھر پلٹ گئے۔ انھوں نے حملہ کر کے کئی مقامات فتح کر لیے، چنانچہ نقفور کو ایک بار پھر صلح کی درخواست کرنا پڑی۔ اس کے بعد بھی مسلمان افواج روم کے سرحدی علاقوں میں کارروائیاں کرتی رہیں حتیٰ کہ

قصر معتصم باللہ کے آثار (سامراء)

190ھ میں رومیوں کے ملک پر حملے میں ہارون الرشید خود بھی شریک ہوئے اور ہرقلہ کا شہر فتح کر لیا جو نفقور کی جنم بھومی تھا، چنانچہ ایک بار پھر ذلیل ہو کر اسے مسلمانوں کے آگے جھکنا پڑا۔ اس نے اپنا اور اپنے خاندان کا جزیہ دینے کا وعدہ کیا، نیز اس نے اپنے ملک کے باشندوں کی طرف سے بھی جزیہ دینے کی ہامی بھری۔ [1]

عباسیوں کے دور کی ایک نمایاں فتح وہ ہے جو مامون کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ 215ھ میں رومیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوا اور ان کے بیس سے زیادہ قلعے فتح کر لیے، چنانچہ رومیوں کے بادشاہ تھیوفلیس کو مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرنا پڑا۔ اس میں یہ بھی طے پایا کہ تجارت محفوظ ہوگی اور فریقین جنگی قیدی واپس کر دیں گے۔

218ھ میں مامون کو شاہِ روم کا ایک خط ملا جس کی وجہ سے اسے غصہ آ گیا اور وہ رومیوں سے جنگ کے لیے نکل پڑا۔ اس سے پہلے مامون نے جوابی خط میں اسے پیشکش کی تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے یا جزیہ ادا کرے۔ اس خط میں مامون نے لکھا تھا: ''میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے تجھے نصیحت کروں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے خلاف حجت بن جائے۔ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو توحید اور سچی شریعت قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تجھے یہ تسلیم نہیں تو فدیہ ادا کر، جس سے (ہم پر تیری حفاظت کا) ذمہ لازم ہو جائے اور

[1] الطبري:10/92، 93، و الكامل:6/186، و البداية و النهاية:10/203، و تاريخ خليفة بن خياط:458، 459.

تجھے مہلت مل جائے۔ اگر تجھے یہ بھی تسلیم نہیں تو تجھے ہمارے اوصاف آنکھوں سے دیکھ کر جو یقین حاصل ہوگا، اس کی بنا پر لمبی بات اور مفصل بیان کی ضرورت نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی.''[1]

شاہِ روم نے یہ پیشکش قبول نہ کی، چنانچہ مامون[2] نے ان کے علاقے میں فتوحات جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے رومیوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے 218ھ میں دورانِ جنگ ہی فوت ہوگیا۔[3]

اس کے بعد معتصم خلیفہ مقرر ہوا، جبکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ جاری تھی لیکن اس وقت خلافتِ عباسیہ کے اندر ایک فتنہ کھڑا ہوگیا جس کا سرغنہ بابک خرمی تھا۔ اس نے ہمدان اور آس پاس کے علاقے میں بہت فساد پھیلایا۔ ان لوگوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کر دیا، چنانچہ سلطنت عباسیہ کی افواج اس فتنے کو ختم کرنے میں مشغول ہوگئیں[4] جس کے نتیجے میں رومیوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے شمالی شام اور الجزیرہ پر حملہ کیا اور کچھ شہروں پر قبضہ کرلیا۔ انھوں نے چند خواتین کو بھی قید کر لیا، گرفتار ہونے والی ایک خاتون نے فریاد کی: وَامُعْتَصِمَاہ! وَامُعْتَصِمَاہ! ''ہائے معتصم! ہائے معتصم!'' معتصم کو یہ خبر ملی تو اس کے نزدیک یہ معمولی بات نہ تھی۔ اس کے منہ سے فوراً نکلا: لَبَّيْك (میں حاضر ہوں)۔ وہ اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور فوج میں کوچ کا اعلان کر دیا، چنانچہ چند دن بعد وہ ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ روم کے ملک پر حملہ کرنے والی اس فوج کی قیادت وہ خود کر رہا تھا۔ اس نے ان کی افواج کو پے در پے شکست دی اور متعدد مقامات فتح کر لیے جن میں عموریہ کا شہر سب سے اہم تھا جو شاہِ روم کی جائے پیدائش تھا۔ معتصم نے چھ ماہ کے محاصرے کے بعد رمضان 223ھ میں اسے فتح کرلیا۔[5]

شاعر ابوتمام نے اسی کے متعلق کہا ہے:

اَلسَّيْفُ أَصْدَقُ أَنْبَاءً مِّنَ الْكُتُبِ فِي حَدِّهِ الْحَدُّ بَيْنَ الْجِدِّ وَاللَّعِبِ

---

[1] تاريخ الطبري: 284/10. [2] خلیفہ مامون الرشید (198ھ تا 218ھ) کی قبر جنوبی ترکی کے شہر طوسوس میں ہے۔ (م ف)
[3] تاريخ خليفة بن خياط: 476، و تاريخ الطبري: 284/10، 295، و الكامل: 428/6، و البداية والنهاية: 274-271/10. [4] اس فتنے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاريخ الطبري: 314/10، و الكامل: 451-447/6. [5] تاريخ الطبري: 343-334/10، و الكامل: 480/6، و البداية والنهاية: 286/10، و نفوذ الأتراك في الخلافة العباسية و أثره في قيام مدينة سامراء: 244-230/1.

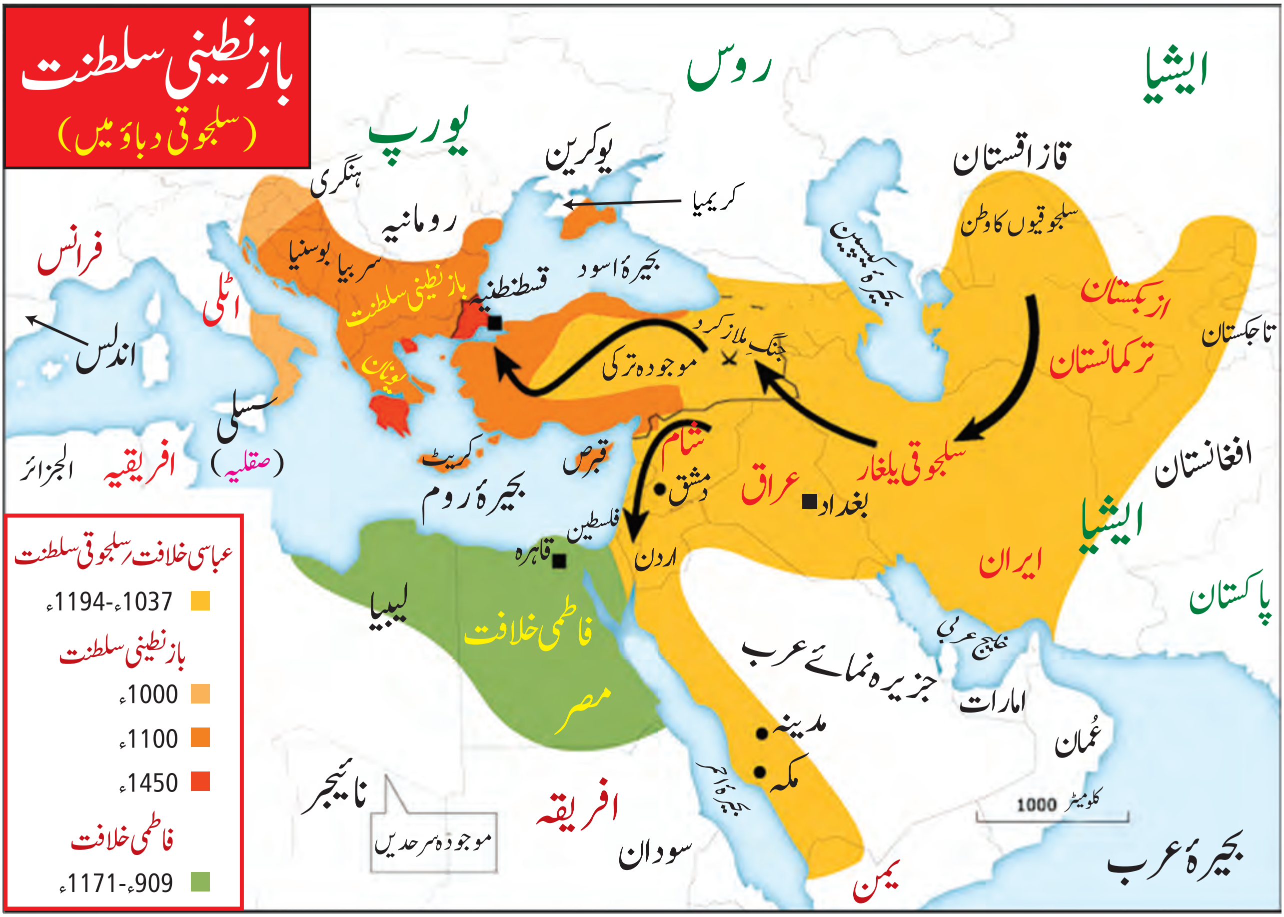

"تلوار نجومیوں کی کتابوں سے زیادہ سچی خبریں دیتی ہے۔ اس کی تیز دھار میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ایک قوت ہے۔"

معتصم کے دورِ حکومت کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جھڑپیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ جنگیں ہوتی رہیں۔ گرمائی اور سرمائی لشکروں کی صورت میں رومیوں کی سرحدوں پر دباؤ قائم رہا اور رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مجاہدین محاذوں پر موجود رہے۔ ان لڑائیوں کا رومی علاقوں پر تو کوئی قابل ذکر اثر نہیں ہوا لیکن اسلامی سرزمین کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے یہ حملے بہت اہمیت کے حامل تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں جب حکم بن حمدان شام کا حکمران تھا تو رومیوں نے 349ھ سے 358ھ تک کی مدت میں شام پر کئی بار حملے کیے اور تخریبی کارروائیاں کیں حتیٰ کہ پانچویں صدی ہجری میں سلجوقی

منظر عام پر آئے۔[1] وہ رمضان 447ھ میں بغداد میں داخل ہوئے اور ملک شام کو رومیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد وہ رومیوں کے علاقے فتح کرنے اور وہاں اپنی بستیاں بسانے لگے۔

جنگ ملازکرد (463ھ)

سلجوقی بادشاہ الپ ارسلان نے 463ھ میں آرمینیا اور جارجیا کے کئی حصے فتح کر لیے اور اس طرح اس علاقے میں اشاعت اسلام کی راہ ہموار کی۔ بازنطینی بادشاہ ''رومانوس'' بہت غضب ناک ہوا اور رومیوں، روسیوں، جارجیوں، فرنگیوں اور دوسری عیسائی اقوام پر مشتمل ایک بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ یہ متحدہ فوج تقریباً تین لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔[2]

سلطان کو جونہی رومیوں کی آمد کی خبر ملی، اس نے اللہ سے اپنے لیے اور ساتھیوں کے لیے ثواب کی امید رکھتے ہوئے مقابلے کی تیاری کر لی۔ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ ان کا رومیوں سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔[3] اور سلطان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنی سلطنت کے دوسرے علاقوں سے کمک طلب کرسکتا۔ اس وقت اس نے اپنا وہ مشہور قول کہا تھا: «أَنَا أَحْتَسِبُ عِنْدَاللهِ نَفْسِي، وَإِنْ سَعِدْتُ بِالشَّهَادَةِ فَفِي حَوَاصِلِ الطُّيُورِ الْخُضْرِ مِنْ حَوَاصِلِ النُّسُورِ الْغُبْرِ رَمْسِي، وَإِنْ نُصِرْتُ فَمَا أَسْعَدَنِي وَأَنَا أُمْسِي، وَيَوْمِي خَيْرٌ مِّنْ أَمْسِي» ''میں اللہ سے اپنی جان (قربان کرنے) کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہوں۔ اگر مجھے شہادت کی سعادت حاصل ہوگئی تو مٹیالے گِدھوں کے پیٹوں کے بعد (جنت کے) سبز پرندوں کے پیٹ میرا مدفن ہوں گے۔ اور اگر میں فتح یاب ہوا تو میں کتنا خوش قسمت ہوں گا۔ جب شام ہوگی تو میرا آج میرے (گزشتہ) کل سے بہتر ہوگا۔''[4]

---

[1] سلجوقیوں کا نسلی تعلق ترکستان سے آنے والے ''غز'' قبائل سے ہے۔ ''سلجوق بن دقاق'' کی نسبت سے سلجوقی کہلاتے تھے۔ ان کو بہت قوت حاصل ہوئی اور ان کے اپنے بادشاہ تھے۔ خلافت عباسیہ نے انھیں جائز حکمران تسلیم کیا کیونکہ انھوں نے سنی مذہب اختیار کر لیا تھا اور خلفاء کا واضح طور پر احترام کرتے تھے۔ غزنویوں سے کشمکش کے بعد 429ھ میں سلجوقی خراسان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حکومت آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی گئی اور عباسی سلطنت نے انھیں تسلیم کر لیا۔ انھوں نے پہلے ایران کو اپنے دائرہ اقتدار میں شامل کیا، پھر عراق کی طرف بڑھے، حتی کہ اس پر قبضہ کر لیا۔ سلجوقی سلطان ''طغرل بن میکائیل'' نے 447ھ میں بغداد پر قبضہ کر لیا اور عباسی خلیفہ کے ساتھ سلجوقی سلطان کا نام لیا جانے لگا۔ انھوں نے مسلمانوں کے بڑے دشمنوں، یعنی رومیوں اور ان کے ہمسایہ علاقوں آرمینیا، جارجیا اور ان کے قریبی علاقوں کے عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ دیکھیے: بنداری اصفہانی کی مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 7-26 اور ڈاکٹر عبدالمنعم حسنین کی دولة السلاجقة: 22-36. [2] مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 40.
[3] مختصر تاریخ دولة آلِ سلجوق: 40. [4] مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 40.

جنگ مائریو کفلان میں بازنطینیوں پر سلجوقی یلغار

سلطان نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے ہراول دستے پر حملہ کیا جو بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ان میں سے اکثر روسی تھے۔ مسلمانوں کو ان پر عظیم فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے دشمن کے اکثر کمانڈر گرفتار کر لیے۔[1]

پھر سلطان الپ ارسلان نے شاہِ روم کی طرف ایک وفد روانہ کیا اور اسے صلح کی پیشکش کی لیکن وہ تکبر میں آ گیا، لہٰذا اس نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اس نے کہا: ''ناممکن! میں نہ جنگ بندی کروں گا، نہ واپس جاؤں گا۔ جب تک مسلمانوں کے ملک میں وہ کچھ نہ کر لوں جو رومیوں کے ساتھ ہوا ہے۔''[2] چنانچہ مسلمانوں نے مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔ 25 ذوالقعدہ 463 ھ جمعرات کے دن دونوں لشکر میدان میں آ گئے۔ جمعہ کے دن جب نماز کا وقت ہوا تو سلطان نے امامت کروائی اور لشکر نے اس کی اقتدا میں نماز ادا کی، پھر اس نے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کی، پھر اس نے ساتھیوں سے کہا: ''ان کے مقابلے میں ہماری تعداد کم سے بھی کم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی اس گھڑی میں دشمن

---

[1] الکامل: 65/10، و المنتظم: 261/8، و مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 42. [2] المنتظم: 361/8.

پر ٹوٹ پڑوں جب ہمارے لیے اور مسلمانوں کے لیے منبروں پر دعائیں کی جا رہی ہیں، پھر میں اپنا مقصد (فتح) حاصل کرلوں یا شہید ہو کر جنت میں پہنچ جاؤں۔ تم میں سے جو کوئی میرا ساتھ دینا چاہتا ہے، وہ ساتھ دے اور جو کوئی واپس جانا چاہتا ہے، واپس چلا جائے۔ اس وقت یہاں کوئی سلطان نہیں جو حکم جاری کرے اور کوئی (ماتحت) لشکر نہیں جو تعمیل کرے۔ آج میں بھی ایک عام سپاہی ہوں جو تمھارے ساتھ مل کر جہاد کر رہا ہوں۔ جو شخص اللہ کے لیے جان قربان کرنے کا عزم لے کر میرے ساتھ آئے گا، اسے جنت بھی ملے گی اور غنیمت بھی۔ اور جو چلا جائے گا، وہ جہنم کا اور رسوائی کا حق دار ہوگا۔'' سب نے کہا: ''آپ جو کچھ بھی کریں گے، ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔'' [1]

سلطان نے موت کی تیاری کرتے ہوئے جلدی جلدی سفید لباس پہنا، میت کو لگائی جانے والی خوشبو لگائی اور کہا: ''اگر میں قتل ہو جاؤں تو یہی میرا کفن ہوگا، (جو میں نے پہن لیا ہے)۔'' [2]

پھر دونوں فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھیں۔ سلطان الپ ارسلان نے گھوڑے سے اتر کر سرِ خاک پر سجدے میں رکھ دیا۔ اللہ کے سامنے عاجزی سے اشک بار ہوا اور بہت دعائیں مانگیں، پھر گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے صدق دل سے جنگ کی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ اللہ نے مومنوں کی مدد فرمائی تو انھوں نے دشمنوں کے بہت سے لوگ قتل کیے اور بے شمار گرفتار کر لیے جن میں نمایاں شخصیت خود شاہِ روم تھا جسے ایک مسلمان غلام نے گرفتار کر لیا تھا۔ اسے ذلت کے ساتھ سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے اسے زجر و توبیخ کی اور اسے یاد دلایا کہ اسے صلح کی پیشکش کی گئی تھی تو اس نے بہت برا جواب دیا تھا، پھر سلطان نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ اس کے عوض وہ تمام مسلمان قیدی رہا کیے جائیں گے جو رومیوں کے پاس ہیں اور بادشاہ کی رہائی کے عوض اتنی رقم ادا کی جائے گی اور رومیوں نے شام میں مسلمانوں کے جس علاقے پر قبضہ کیا ہے، اسے واپس کر دیں گے۔ [3]

رومیوں پر مسلمانوں کی یہ فتح ایک اہم فتح تھی جس سے رومیوں کی کمر ٹوٹ گئی، ان کی قوت بکھر گئی، ان کا تکبر زمین بوس ہو گیا اور انھیں مسلمانوں کا حساب چکانا پڑا۔

---

[1] المنتظم: 262/8، و الکامل: 61/10. [2] الکامل: 66/10. [3] المنتظم: 262/8-264، و الکامل: 67/10، و البدایة والنهایة: 100/12، و النجوم الزاهرة: 87/5.

سندھ میں قلعہ رانی کوٹ

② مشرقی علاقوں کی فتوحات

عباسی دور کے پہلے خلفاء ان فتنوں کا قلع قمع کرنے میں مشغول رہے جو سندھ کے علاقے میں ہندوؤں اور جاٹوں وغیرہ نے برپا کر رکھے تھے۔ ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً بے چینی پھیلتی رہی۔ اس کے باوجود یہاں اسلام مسلسل پھیلتا رہا۔ سجستان، ہرات اور ان کے قرب و جوار میں 161 ھ میں مُقَنَّع نے گڑبڑ کی۔ ہمسایہ علاقوں کے حکمرانوں نے اس گڑبڑ سے فائدہ اُٹھا کر سلطنت عباسیہ سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے۔ جونہی مقنع کا فتنہ ختم ہوا، کابل، صغد، طخارستان، فرغانہ اور خراسان کے حکمرانوں نے فوراً عباسی سلطنت سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔[1]

ہارون الرشید کے دورِ حکومت میں ان علاقوں میں، خاص طور پر ترکوں کی طرف سے کئی تحریکیں اٹھیں جن پر قابو پانے کے لیے مسلمانوں کو بہت زیادہ کوشش کرنی پڑی۔ مامون نے اپنے دورِ حکومت میں خراسان کے گورنر کو سختی سے حکم دیا کہ جو ترک مسلمان ہو جائیں، ان کی عزت افزائی کی جائے اور اسلام

[1] تاريخ الطبري: 342/9، و البداية والنهاية: 145/10.

قبول نہ کرنے والوں سے جنگ کی جائے، چنانچہ ترک بادشاہ اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے حتیٰ کہ ان دنوں بہت سے ترکوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد، بالخصوص معتصم کے دورِ حکومت میں، ان لوگوں کو سلطنت میں اہم مقام حاصل ہوگیا۔ [1]

عباسی دور کے آخر میں اور اس کے بعد مشرق میں کئی چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں جو عباسی خلافت سے الگ ہوگئی تھیں۔ اگرچہ عام طور پر وہ عباسی خلافت کو تسلیم کرتی تھیں، تاہم تسلیم کرنے کا یہ رسمی اعلان انھیں عباسی خلافت سے تقریباً مکمل طور پر آزاد ہونے سے نہ روک سکا۔ مشرق کے یہ اسلامی ممالک مختلف اوقات میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی رہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

غزنی (افغانستان) کا قدیم مینار

خراسان میں طاہری حکومت (205ھ تا 259ھ)، سجستان اور بلوچستان میں صفاری حکومت (254ھ تا 298ھ)، ماوراء النہر اور خراسان میں سامانی حکومت (261ھ تا 389ھ)، افغانستان اور ہندوستان میں غزنوی حکومت (351ھ تا 582ھ)۔ ان سلطنتوں اور ان کے مختلف حکمرانوں نے فتوحات اور جہاد کے سلسلے میں اپنے اپنے طور پر جدوجہد کی۔ [2]

غزنوی خاندان

غزنوی خاندان کی فتوحات کو اس دور کے اہم جہادی واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے اسلام نئے علاقوں میں پہلی بار متعارف ہوا۔ اگرچہ غزنوی بادشاہ عباسی سلطنت سے مکمل طور پر آزاد تھے، اس کے باوجود وہ رسمی طور پر عباسی خلیفہ سے حکومت کرنے کی اجازت لیتے تھے، یعنی وہ خلیفہ کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے دعائیں کرتے تھے (اور خطبہ جمعہ میں خلیفہ کا نام لے کر دعا کی جاتی تھی)۔ اسی طرح غزنوی حکمرانوں کے تقرر کا فرمان بغداد سے جاری کیا جاتا تھا۔

---

[1] نفوذ الأتراك في الخلافة العباسية وأثره في قيام مدينة سامراء: 241/1. [2] ان سلطنتوں کے حالات تفصیل سے جاننے کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عصام عبدالرؤف فقی کی الدول الإسلامیة المستقلة فی الشرق، طبع دار الفکر العربی 1987ء.

جامع مسجد ہرات (افغانستان)

غزنوی شروع میں افغانستان کے صوبہ غزنی میں سامانیوں کے ملازم تھے۔ سامانی حکومت کمزور پڑنے پر غزنویوں نے حکومت سنبھالی اور ہندوستان کی فتح کی طرف متوجہ ہوئے۔ سبکتگین (وفات 387ھ) پہلا غزنوی بادشاہ تھا۔ اس نے سندھ اور پنجاب میں کئی علاقے فتح کیے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے محمود (وفات 421ھ) نے حکومت سنبھالی۔ اس نے ستائیس سال میں سندھ اور ہند پر سترہ سے زیادہ حملے کیے۔ اس نے کشمیر، لاہور، ملتان اور گجرات فتح کیے۔ سومنات میں ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر توڑ دیا جس میں ان کا مشہور بت نصب تھا۔ ہندوؤں نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ اسے سلامت رہنے دے تو وہ اسے منہ مانگی دولت دینے کو تیار ہیں، تو اس نے کہا: ''میں بت فروش نہیں، بت شکن بننا چاہتا ہوں۔'' [1]

سلطان محمود غزنوی نے یہاں کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت، علم کی ترویج اور انصاف کے قیام پر خاص طور پر توجہ دی، اس لیے اسے صحیح طور پر ''فاتح ہند'' قرار دیا جاتا ہے۔ مؤرخین نے بجا طور پر اس کی بے حد تعریف و تحسین کی ہے بلکہ بعض ہندو مؤرخین نے بھی اس کی تعریف کی ہے، حالانکہ اس نے ان کے بت پرستی کے مرکز سومنات کو مسمار کر دیا تھا لیکن انھوں نے اس کے انصاف اور علم و تہذیب کے فروغ کی تعریف کی ہے۔ [2]

---

[1] الکامل: 130/9، 139، 147، 169، 244، و المنتظم: 54/8، و سیر أعلام النبلاء: 485/17، و النجوم الزاهرة: 662/4، و وفيات الأعيان: 176/5. [2] سیر أعلام النبلاء: 491/17، و موسوعة التاريخ الإسلامی والحضارة الإسلامية لبلاد السند والبنجاب: 303/1، 400، 419، 423، و الدول الإسلامية المستقلة بالشرق: 133.

③ سمندری فتوحات

پہلے عباسی خلفاء نے مصر اور شام کے سمندری محاذوں کو بھی اہمیت دی اور انھیں مضبوط کیا تاکہ رومیوں کے حملوں سے دفاع ہو سکے اور بحیرۂ روم میں جہاد کے لیے ان سے کام لیا جا سکے۔ مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے متعدد جزیروں پر اپنے بحری بیڑوں سے حملہ کیا اور قسطنطنیہ پر بھی سمندر کی طرف سے کئی بار حملہ کیا، تاہم اس میدان میں ان کی کارکردگی بنو امیہ کی حکومت سے یا شمالی افریقہ کے آزاد ممالک سے بہت کم تھی۔

افریقہ میں متعدد اسلامی ممالک وجود میں آئے جو عباسی سلطنت سے دوستی کا تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے بحیرۂ روم میں کچھ فتوحات حاصل کیں۔ ان میں سے تیونس میں قائم ہونے والی اغالبہ کی حکومت (184-296ھ) خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ انھوں نے بحری بیڑوں پر خاص توجہ دی۔ ان کی ایک اہم بحری مہم 212ھ مطابق 827ء میں صقلیہ (سسلی) کی فتح ہے۔ اس کی قیادت قیروان کے قاضی اور عالم "اسد بن فرات" نے کی تھی۔ ان کے ساتھ رضا کار مجاہدین کی جماعت تھی۔ وہ انھیں لے کر سسلی کے ساحل پر اترے۔ وہاں انھوں نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ انھیں جہاد کی فضیلت یاد دلائی، جہاد کا علم حاصل کرنے اور اس کے لیے کام کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. مسلمانو! اللہ کی قسم! میرا کوئی باپ دادا کبھی کسی

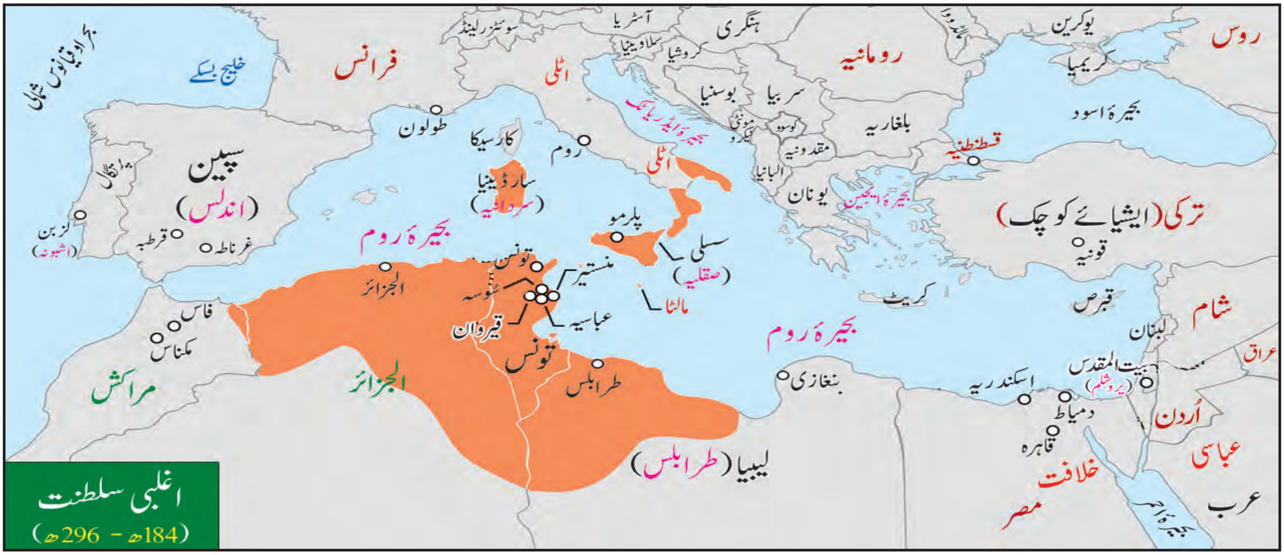

منصب پر فائز نہیں رہا اور میرے بزرگوں میں سے کسی نے ایسا مقام نہیں پایا۔ تم مجھے جس مقام پر دیکھ رہے ہو، میں اس تک صرف قلم کی وجہ سے پہنچا ہوں، لہٰذا حصولِ علم کے لیے محنت کرو اور علمی تصنیف و تالیف میں منہمک ہو جاؤ۔ تمھیں دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی۔'' ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا اور وہ کچھ گنگنا رہے تھے۔ وہ سورۂ یٰسٓ پڑھ رہے تھے، پھر انھوں نے مجاہدین کو جوش دلایا اور ہلہ بول دیا۔ سب نے مل کر حملہ کیا اور اللہ نے عیسائیوں کے لشکروں کو شکست دے دی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: میں نے اسد کو دیکھا کہ ان کے جھنڈے کے بانس پر خون بہہ رہا تھا اور ان کی بغل کے نیچے پہنچ رہا تھا۔[1]

اسد بن فرات صقلیہ میں مجاہدین کے ہمراہ جہاد کرتے رہے اور مختلف مقامات پر جنگ میں شریک رہے حتی کہ 213ھ میں اس جزیرے میں شہید ہو گئے۔[2] اس کے بعد بھی صقلیہ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی اور مسلمان ہر بار اسے فتح کرتے رہے حتی کہ 264ھ میں اس نے مکمل طور پر ان کی اطاعت قبول کر لی۔[3] اس کے علاوہ مسلمانوں نے 255ھ میں ''مالٹا'' کو بھی فتح کر لیا۔[4] اس کے ساتھ انھوں نے اٹلی کے قریب کچھ جزائر پر بھی قبضہ کر لیا اور اٹلی کے ساحل پر جا اُترے۔[5]

اس طرح مسلمانوں نے اٹلی کے اردگرد ان سمندروں پر اپنا تسلط منوا لیا جو وسطی مغرب (الجزائر اور تیونس) اور اس تنگنائے کے شمال میں واقع ہیں جسے آبنائے مسینا کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان کئی بار اٹلی کے جنوبی ساحل پر اُترے۔ ایک بار 289ھ میں ایسا ہوا تھا کہ انھوں نے اٹلی پر اور کئی دوسرے مقامات پر جزیہ عائد کیا۔[6]

---

[1] ترتيب المدارك للقاضي عياض: 477/2. [2] ترتيب المدارك: 480/2. [3] فتوح البلدان: 237، و الكامل: 320/7، و الحياة الاجتماعية و الاقتصادية في صقلية الإسلامية: 21. [4] الروض المعطار: 520. [5] الكامل: 337/6. [6] الروض المعطار: 102، و الحياة الاجتماعية والاقتصادية في صقلية الإسلامية: 18.

اسی طرح مسلمانوں نے 329ھ میں اٹلی کا شہر باری فتح کیا، اس کے ساتھ کئی دوسرے علاقے بھی فتح کر لیے۔ اس کے علاوہ وہ کئی بار وہاں اترے حتیٰ کہ جنوبی اٹلی میں مسلمانوں کی ایک جماعت وجود میں آ گئی۔ یہ لوگ بعد میں اہلِ قلوریہ (Clabria) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان سمندری علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہی یہاں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا، پھر مسلمان یہاں پانچویں صدی ہجری کے وسط تک حکمران رہے اور یہاں کے بعض مسلمان علماء بہت مشہور ہوئے۔ [1]

ان علاقوں میں آیندہ کئی صدیوں تک مسلمانوں کی آبادیاں موجود رہیں۔ اس علاقے کے باشندوں کے رہن سہن اور کھانے میں مسلمانوں کے اثرات آج تک واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ [2]

---

[1] معجم البلدان: 392/4، و الکامل: 72/8، و الحیاة الاجتماعیة و الاقتصادیة في صقلیة الاسلامیة. [2] مالٹا کا ایک بڑا تاریخی شہر آج بھی مدینہ کہلاتا ہے۔ (م ف)

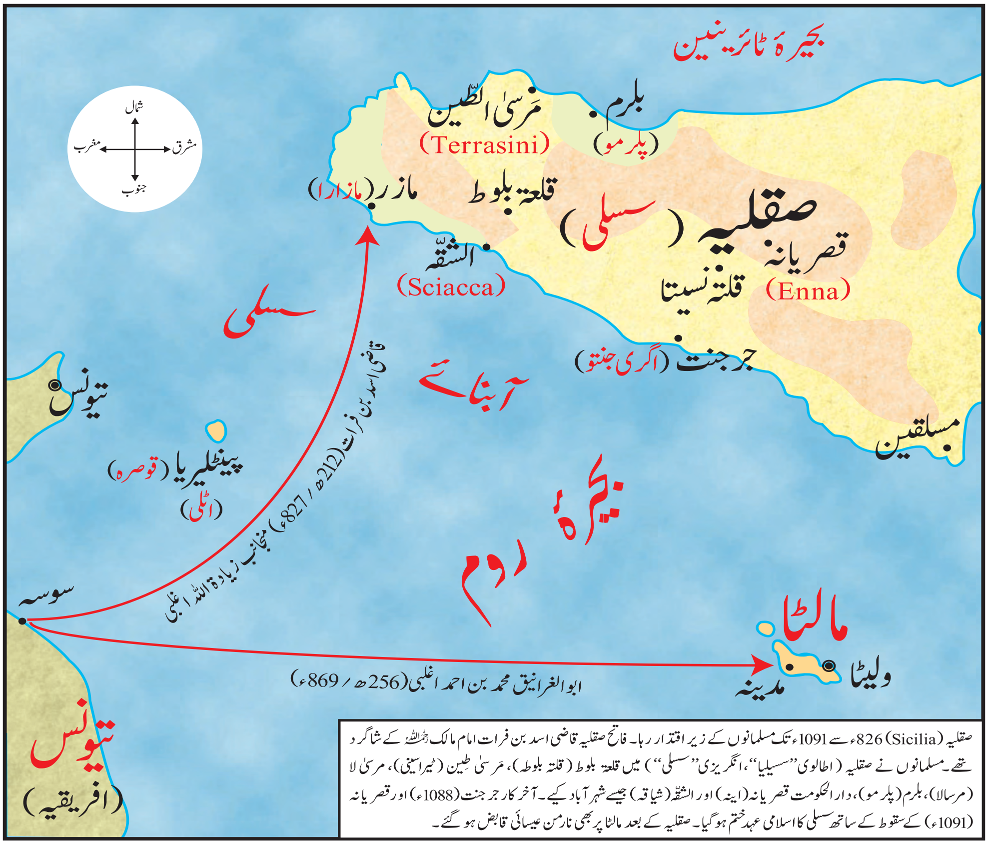

سسلی (212ھ) اور مالٹا (256ھ) کی فتح

جنگ زلاقہ (رمضان 479ھ)

اندلس ایک طویل عرصے تک بنوامیہ کی حکومت کے ماتحت رہا۔ یہ دور 138ھ میں عبدالرحمٰن الداخل سے شروع ہو کر 400ھ میں بنوامیہ کی حکومت کے خاتمے تک محیط ہے۔ اس حکومت کے خاتمے کی وجہ اس کی داخلی کمزوری بھی ہے اور بیرونی دباؤ بھی۔ خاص طور پر فاطمی حکومت اور اس کے حلیفوں، اندلس کی عیسائی طاقتوں اور وہاں کے کچھ متعصب لوگوں کی ریشہ دوانیاں اس کا باعث ہوئیں۔

چوتھی صدی ہجری میں جب اموی خلافت ختم ہوئی تو اندلس کی وہ حالت تھی جو مقرّیِ تلمسانی نے اپنی کتاب ''نفح الطیب'' میں بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''اس سرزمین سے بنوامیہ کی حکومت ختم ہو گئی اور مغرب میں خلافت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ خلفاء کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد مختلف گروہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بربر، عرب اور موالی اُمراء اور رؤساء ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپس میں علاقے تقسیم کر لیے۔ وہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر کار ان میں سے کچھ امیر بادشاہ بن بیٹھے اور ان کی قوت زور پکڑ گئی۔ انھوں نے ظاہری طور پر بڑا مقام حاصل کر لیا۔ وہ عیسائی بادشاہ کو جزیہ دیتے تھے تاکہ وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد نہ کرے یا ان سے حکومت نہ چھین لے۔ خاصے عرصے تک ان کی یہی حالت رہی۔'' [1]

---

[1] نفح الطیب: 438/1.

اندلس کا ملک چھوٹے چھوٹے گروہوں کے سرداروں کے درمیان تقسیم ہو کر رہ گیا جو آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ وہ اپنی عصبیت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ اپنے ذاتی اور قبائلی مفادات کو امت کے مفاد پر ترجیح دیتے تھے حتی کہ بعض اوقات ایک ریاست کا سردار ہمسایہ مخالف ریاست کے مسلمانوں پر وار کرنے کے لیے دشمنوں، یعنی اندلس کے عیسائیوں سے مدد مانگتا تھا۔ ہر سردار کو اپنے القاب اور ظاہری شان و شوکت کی فکر تھی لیکن حقیقی قوت کی فکر نہ تھی۔ وہ خواہشات و لذاتِ دنیوی میں غرق تھے، آسائشوں اور نعمتوں کے دلدادہ تھے۔ ان میں سے اکثر کا یہ نعرہ تھا:

دَوْزَنِ الْعُودَ، وَهَاتِ الْقَدَحَا　　　رَاقَتِ الْخَمْرُ وَالْوَرْدُ صَحَا

”عود بجاؤ، جامِ شراب لاؤ۔ شراب اچھی لگتی ہے اور گلاب جاگ اٹھے ہیں (یعنی بہار آ گئی ہے۔)“

ان سرداروں اور نام نہاد بادشاہوں کی وضع قطع دیکھ کر انتہائی برے انجام کا خطرہ سامنے نظر آتا تھا، جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

أُمُورٌ يَّضْحَكُ السُّفَهَاءُ مِنْهَا　　　وَيَبْكِي مِنْ عَوَاقِبِهَا الْحَلِيمُ

”ان حالات کو دیکھ کر بے وقوفوں کو بھی ہنسی آ جاتی ہے اور ان کا انجام سوچ کر عقل مند رو پڑتے ہیں۔“[1]

اور کچھ تو فخر اور تکبر میں اس حد تک چلے گئے کہ جب شاعر نے کہا:

اُنْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّورٍ لَّهُمْ　　　إِنَّهُ مِنْ نُّورِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”ٹھہرو، ہم بھی ان کے نور سے کچھ لے لیں۔ یہ تو رب العالمین کا نور ہے۔“

تو اسے سزا دینے کے بجائے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔[2]

امت کے ان منتشر اعضاء میں بھی دشمنی اور افتراق ہی بڑھتا رہا حتی کہ شاعر نے کہا:

مَا بَالُ شَمْلِ الْمُسْلِمِينَ مُبَدَّدٌ　　　فِيهَا وَشَمْلُ الضِّدِّ غَيْرُ مُبَدَّدِ

”کیا وجہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہے اور دشمنوں کی جمعیت منتشر نہیں؟“

---

[1] مصطفی عبدالواحد کی کیف ضاعت الأندلس:8. [2] احمد مختار عبادی: في تاريخ المغرب والأندلس:180.

لیون شہر (سپین) کا ایک منظر

(اقبال نے کہا: دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ .... بت کدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ)

ایک اور شاعر نے کہا:

وَتَفَرَّقُوا شُعَبًا، فَكُلُّ مَحَلَّةٍ فِيهَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَمِنْبَرُ

''وہ شاخ در شاخ تقسیم ہو گئے، حتیٰ کہ ہر محلے میں ایک امیر المومنین اور ایک منبر ہے۔''

جبکہ اندلس کے عیسائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ آپس میں متحد ہو رہے تھے اور ان کے سردار مسلمانوں کو اندلس سے نکالنے کی تیاری اور ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے، فریقین کا ایک دوسرے سے موازنہ مشکل تھا۔ یہی کہا جاسکتا ہے:

لَبِسُوا الْحَدِيدَ إِلَى الْوَغَى وَلَبِسْتُمْ — حُلَلَ الْحَرِيرِ عَلَيْكُمْ أَلْوَانَا

مَا كَانَ أَقْبَحَهُمْ، وَأَحْسَنَكُمْ بِهَا — لَوْ لَمْ يَكُنْ بِبطرنة مَا كَانَا

''انھوں نے جنگ کے لیے لوہے کا لباس پہنا اور تم نے رنگ برنگے ریشمی جوڑے زیب تن کیے۔ ان کے لیے یہ لباس بہت برا ہوتا اور تمھارے لیے بہت اچھا ہوتا، اگر بطرنہ کے مقام پر وہ کچھ نہ ہوا ہوتا جو واقع ہوا۔''[1]

حتی کہ اندلس کے تمام مسلمان خطروں میں گھر گئے کیونکہ ان کے نزدیک قوت صرف چند رسمی علامتوں اور نعروں کا نام رہ گیا تھا، جیسے شاعر ابورشیق قیروانی نے کہا:

مِمَّا يُزَهِّدُنِي فِي أَرْضِ أَنْدَلُسَ — أَسْمَاءُ مُعْتَضِدٍ فِيهَا وَمُعْتَمِدِ

أَلْقَابُ مَمَالِكٍ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهَا — كَالْهِرِّ يَحْكِي انْتِفَاخًا صُورَةَ الْأَسَدِ

''میرا دل اندلس کی سرزمین سے اُچاٹ کر دیا ہے، اس میں معتضد اور معتمد جیسے ناموں نے۔ بادشاہوں کے یہ لقب بے محل ہیں، جیسے بلی خود کو پھلا کر شیر کی صورت کی نقل کرنے لگے۔''[2]

اس وقت مغرب (مراکش وغیرہ) میں مرابطین کی سلطنت وجود میں آ چکی تھی جس کی سربراہی عبداللہ بن یاسین اور قیادت ابوبکر بن عمر لمتونی کے ہاتھ میں تھی۔ اسے مکمل طاقت اور مقام ''یوسف بن تاشفین'' کی قیادت میں حاصل ہوا۔ اس نے دیکھ لیا کہ اندلس میں اسلام خطرے میں ہے کیونکہ اسے وہاں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اس نے وہاں کے علماء سے بھی ملاقات کی تھی۔ وہ اندلس کے شہروں کو ایک ایک کر کے عیسائیوں کے قبضے میں جانے کی خبریں سنتا رہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اندلس کے مسلمان امراء سے ٹکر لینے کا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

ان حالات میں 475ھ میں الفانسو ششم کی قیادت میں طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا جو ملک کا اہم

---

[1] نفح الطيب: 4/359. [2] في التاريخ العباسي و الأندلسي: 469.

ترین شہر تھا، چنانچہ یہاں کے حکمرانوں کو بجا طور پر مجرم قرار دیا گیا۔ اس وقت ابن عسال نے اپنی مشہور نظم لکھی تھی جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

يَا أَهْلَ أَنْدَلُسَ شُدُّوا رِوَاحِلَكُمْ   فَمَا الْمَقَامُ فِيهَا إِلَّا مِنَ الْغَلَطْ

اَلثَّوْبُ يُنْسَلُ مِنْ أَطْرَافِهِ وَأَرٰی   ثَوْبَ الْجَزِيرَةِ مَنْسُولاً مِّنَ الْوَسَطْ

مَنْ جَاوَرَ الشَّرَّ لَا يَأْمَنُ عَوَاقِبَهُ   كَيْفَ الْحَيَاةُ مَعَ الْحَيَّاتِ فِي سَفَطْ

''اندلس والو! کوچ کی تیاری کر لو۔ اب یہاں ٹھہرے رہنا محض غلطی ہے۔ لباس کناروں کی طرف سے اتارا جاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جزیرہ نمائے اندلس کا کپڑا درمیان سے اُتر رہا ہے۔ جو شخص برے لوگوں کا پڑوس اختیار کرتا ہے، وہ ان کے انجام بد سے محفوظ نہیں رہتا۔ سانپوں کے ساتھ پٹاری میں زندگی گزارنا کس طرح ممکن ہے؟''

اس وقت یہاں کا مسلمان حکمران محلات کی تعمیر میں مشغول تھا۔[1] حالانکہ ایک شاعر نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا:

---

[1] نفح الطیب: 353/4.

اندلس کا ایک قدیم شہر

أَتَبْنِي بِنَاءَ الْخَالِدِينَ وَإِنَّمَا　　بَقَاؤُكَ فِيهَا، لَوْ عَقَلْتَ، قَلِيلُ

لَقَدْ كَانَ فِي ظِلِّ الْأَرَاكِ كِفَايَةٌ　　لِمَنْ كُلَّ يَوْمٍ يَقْتَفِيهِ رَحِيلُ

''کیا تو ہمیشہ رہنے والوں کی طرح عمارتیں بناتا ہے؟ حالانکہ اگر تجھے سمجھ ہو تو ان میں تیرے رہنے کی مدت بہت قلیل ہے۔ اس شخص کا گزارہ تو پیلو کے درخت کے نیچے بھی ہو سکتا ہے جس کا موت ہر روز تعاقب کر رہی ہو۔''

ان حالات میں اندلس کے چند سرداروں نے قرطبہ کے حاکم ''معتمد بن عباد'' کی حوصلہ افزائی کی تو اس نے المغرب (مراکش) کے حکمران یوسف بن تاشفین کو خط لکھ کر اس سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ علاقائی سرداروں نے اسے منع کرنے کی کوشش کی کیونکہ انھیں اپنی نام نہاد سلطنتوں کے ختم ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن اس نے یوسف سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ تبدیل نہ کیا۔ اس نے کہا: ''مجھے یوسف بن تاشفین (کا خادم بن کر اس) کے اونٹ چرانا، قشتالہ میں عیسائیوں (کا محکوم بن کر ان) کے خنزیر چرانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔'' اس نے یہ بھی کہا: ''میں اللہ کو خوش کروں گا، خواہ میری حکومت چھن جائے۔ اگر میں اذفونش (الفانسو) کا سہارا لوں گا تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لوں گا۔''[1] قرطبہ کے حکمران کو یوسف بن تاشفین سے مدد مانگنے پر آمادہ کرنے میں اندلس کے علماء نے بھی اپنا کردار ادا کیا تھا۔[2]

جب یوسف بن تاشفین تک مدد کی درخواست پہنچی تو اس نے اندلس کے مسلمانوں کو دشمن سے نجات دلانے کا عزم کر لیا اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی۔

جب عیسائیوں کے بادشاہ الفانسو ششم کو ان معاملات کی خبر ملی تو اس نے یوسف بن تاشفین کو ڈرا دھمکا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ یوسف بن تاشفین نے متنبی کا ایک شعر لکھ بھیجا:

وَلَا كُتُبَ إِلَّا الْمَشْرِفِيَّةُ عِنْدَهُ　　وَلَا رُسُلٌ إِلَّا الْخَمِيسُ الْعَرَمْرَمُ

''تلواروں اور نیزوں کے سوا اس کا کوئی خط نہیں اور لشکر جرار کے سوا کوئی قاصد نہیں۔''

الفانسو ششم نے مرابطین کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا لشکر تیار کیا۔ مرابطین، ابن تاشفین کی قیادت میں اور معتمد بن عباد کے تعاون سے اندلس کے ملک میں داخل ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے ٹھکانے تیار کر لیے تھے اور اسلحہ جمع کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ اندلس کے مسلمان رضا کار مجاہدین بھی آ ملے۔ اس دوران

---

[1] نفح الطيب: 359/4. [2] الكامل في التاريخ: 152/10.

میں الفانسو نے بھی اپنی فوجیں جمع کر لیں اور اندلس کے شہروں کے قریب محاصرہ توڑ کر اس مقام پر آ گئے جسے زلاقہ کہتے ہیں۔ ہسپانوی زبان میں اس جگہ کا نام سگرا جاس (SAGRAJAS) ہے۔ اس کے قریب ہی اندلس کے عیسائیوں نے بھی پڑاؤ ڈال دیا جن کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی۔

دس رمضان 479ھ جمعہ کے دن شدید جنگ ہوئی۔ جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے اچانک حملے کی صورت میں ہوئی۔ انھوں نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے جنگ کی۔ معتمد بن عباد نے سب سے زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اسے بہت سے زخم آئے، پھر مسلمانوں نے اپنی صفوں کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور بہت جرأت و مردانگی سے جنگ کی۔ اس جنگ میں اندلس کے عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد تہ تیغ ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔ الفانسو ششم فرار ہو کر اپنے چند سواروں کے ساتھ قریبی پہاڑوں میں جا چھپا، پھر شکست کا داغ لیے ذلیل ہو کر موقع ملتے ہی الٹے پاؤں بھاگا، جبکہ اس کے لشکر کا زیادہ حصہ تباہ ہو چکا تھا۔

مسلمان اب دوبارہ اپنے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے لگے۔ ان کا رعب داب دوبارہ قائم ہو گیا۔ اکثر مؤرخین نے اس جنگ کو ''اندلس کو نئے سرے سے فتح کرنے'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد یوسف بن تاشفین دوبارہ اپنے ملک ''المغرب'' واپس چلا گیا۔ [1]

---

[1] الکامل في التاریخ: 153/10.

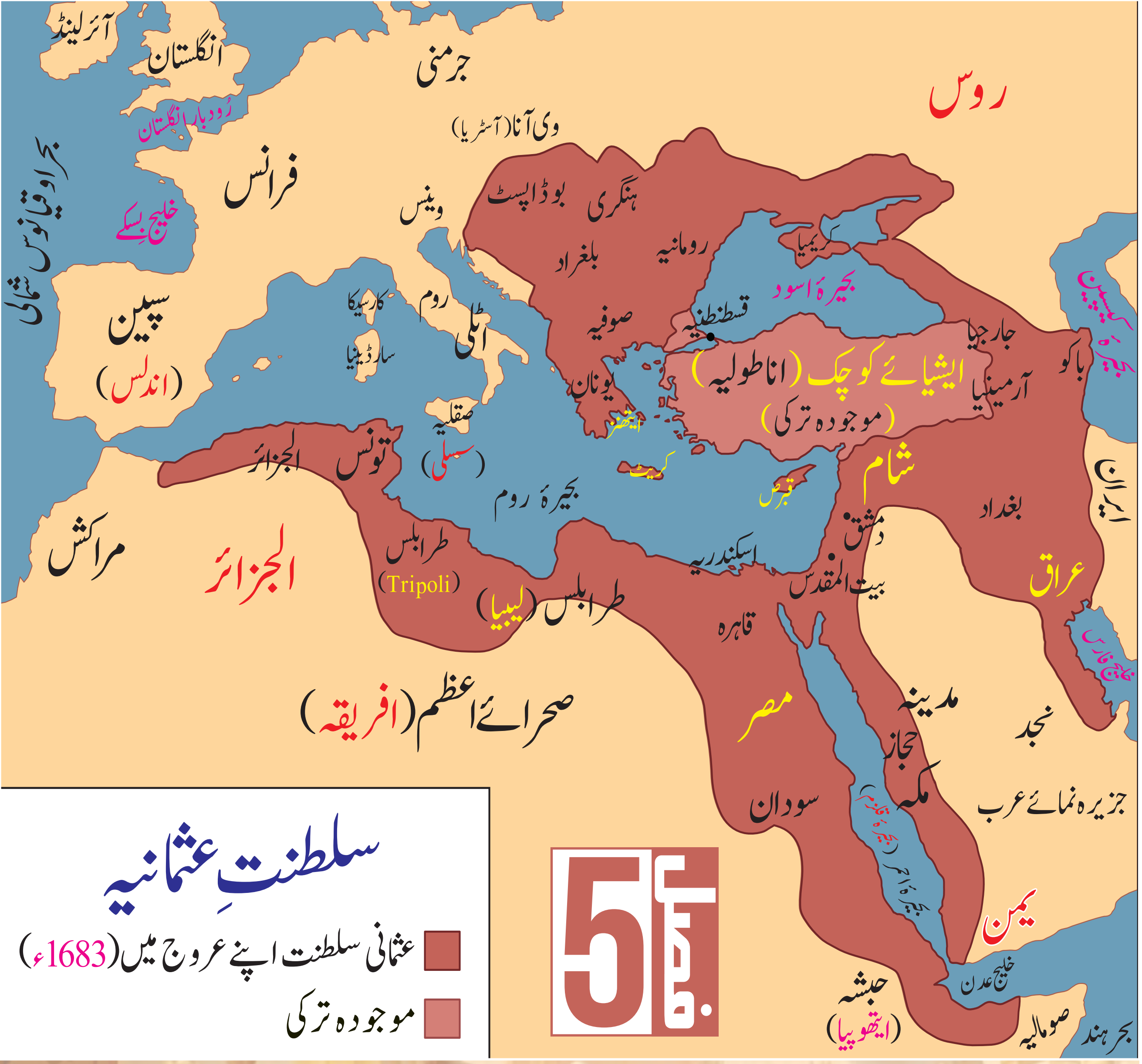

باب 5

صلیبی جنگوں کا دَور

صلیبی جنگوں کا دَور

صلیبی جنگوں کے دور کو مختلف اسلامی ادوار میں ایک ضمنی دور سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کی ابتدا عباسی (سلجوقی) دور میں ہوئی اور انتہا مملوک خاندان کے دور میں ہوئی۔ اس کے درمیان ایوبی دور بھی آتا ہے لیکن اس تمام مدت کو ایک الگ دور قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس دور میں ایک مشترک وصف موجود ہے اور وہ ہے مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان لڑائیاں جو مسلمانوں نے شام اور مصر میں فرنگی افواج اور مقامی عیسائیوں سے لڑیں۔ اس دور کے واقعات پر یہ ٹکراؤ حاوی رہا ہے، چنانچہ فتح و جہاد کی تحریکوں میں صلیبیوں سے جنگ نے مرکزی اور اہم ترین مقام حاصل کر لیا اور نئی فتوحات کا سلسلہ رُک گیا۔ مسلمان یا تو صلیبی حملوں سے اپنے ملکوں کا دفاع کرنے میں مشغول ہوگئے یا جن کی حالت بہتر تھی، وہ مسلمانوں کے چھنے ہوئے علاقے صلیبیوں سے واپس لینے کی جدوجہد کرتے رہے۔

اگرچہ اسلامی سرزمین پر پہلا صلیبی حملہ اس وقت ہوا، جب بغداد میں عباسی حکومت قائم تھی لیکن اس کی

موجودگی محض ظاہری حیثیت رکھتی تھی۔ شام کے ملک میں، بلکہ شمالی عراق میں بھی جو عباسی خلافت کا مرکز تھا، چھوٹی چھوٹی منتشر ریاستیں اور امارتیں قائم تھیں جو بعض اوقات آپس میں بھی لڑ پڑتی تھیں اور خلافت ان ننھی منی ریاستوں کو تسلیم کر کے اس تقسیم کو کسی حد تک قانونی حیثیت بھی دے دیتی تھی۔

موصل، حران، میافارقین، طرابلس، صور، شیزر وغیرہ سب چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں تھیں لیکن وہ اتنی کمزور تھیں کہ اپنا دفاع نہیں کر سکتی تھیں۔

بغداد میں عباسی سلطنت پر سلجوقی مسلط تھے۔ ان کے بعض جتھے، اپنی ترکمانی افواج کے ساتھ رومیوں، یعنی بازنطینیوں کے علاقے کے بڑے بڑے حصوں پر قبضہ کرنے کے بعد شام کے اس شمالی حصے پر قبضہ کر چکے تھے جو اس وقت ترکی میں شامل ہے۔

صلیبیوں کا پہلا حملہ اور بیت المقدس پر ان کا قبضہ

صلیبی، یورپ سے پہلی بار اس وقت روانہ ہوئے جب پوپ اربن دوم (Urban II) نے اس کی ترغیب دی [1] اور پطرس راہب نے یہ دعوت یورپ میں جگہ جگہ پہنچا دی، چنانچہ یورپی باشندے جوق در جوق اس کے ساتھ ملنے لگے جن میں پہلے جتھے کی تعداد کا اندازہ پندرہ ہزار افراد لگایا گیا ہے، پھر ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ وہ مغرب سے مشرق کی طرف یورپ کے علاقوں میں سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ عیسائی آبادی کے علاقوں سے گزر رہے تھے، پھر بھی وہ جہاں سے گزرتے وہاں کی بستیوں کو ویران کر دیتے، لوگوں کو قتل کرتے اور ان پر ظلم و تشدد کرتے تھے، چنانچہ یورپیوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ پہنچنے تک ہزاروں افراد قتل ہو چکے تھے۔ [2]

---

[1] یہ دعوت و ترغیب کیسے دی گئی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ اس کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: فوشے شارتری کی تاریخ الحملة الصليبية الأولى إلى القدس، ترجمہ ڈاکٹر زیاد العسلی، طبع دار الشرق عمان، اردن 1990ء، ص: 22 اور اس سے آگے۔ نیز ولیم صوری کی تاریخ الحروب الصليبية: 16/1 و ما بعد. [2] دیکھیے: ولیم صوری کی کتاب: 181/1۔

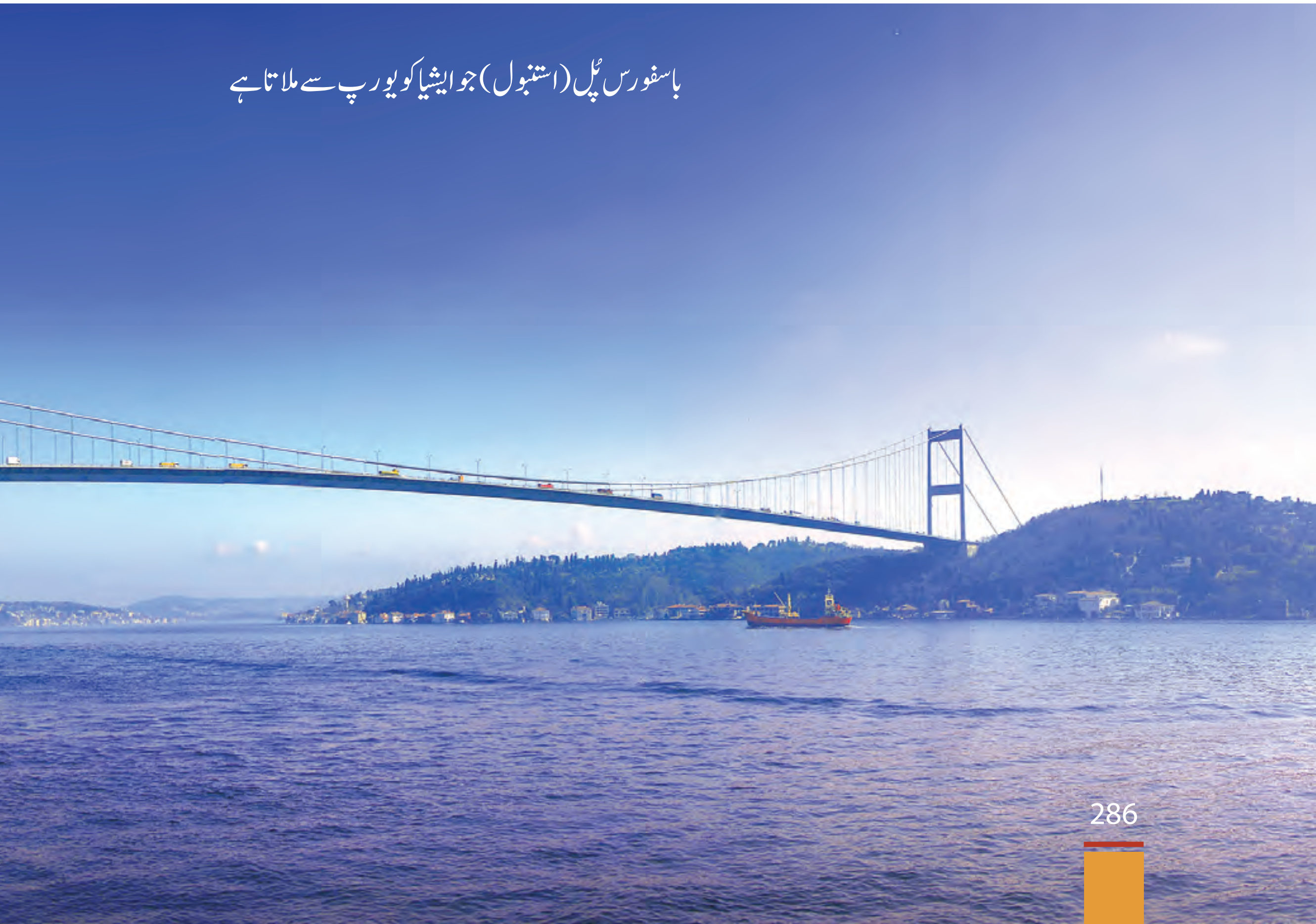
باسفورس پُل (استنبول) جو ایشیا کو یورپ سے ملاتا ہے

ان کا پہلا لشکر قسطنطنیہ میں رجب 490ھ (مطابق 1096ء) میں پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عیسائیوں نے بازنطینی بادشاہ کی سربراہی میں آنے والوں کا زبردست استقبال کیا، انھیں امداد فراہم کی اور انھیں نصیحت کی کہ آگے جانے میں جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ مزید تیاری کر لیں۔ لیکن اس لشکر کے سرداروں نے اس نصیحت پر کان نہ دھرا۔ انھوں نے قسطنطنیہ کے قرب و جوار میں سخت فساد پھیلایا۔ بازنطینیوں نے صلیبیوں کی آبنائے باسفورس پار کرنے میں مدد کی اور وہ اسے عبور کر کے اس کے مشرق میں پہنچ گئے اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھوں نے اناطولیہ میں بہت فساد مچایا اور علاقے کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو تنگ کر دیا۔ وہ سلجوقیوں کے علاقے کے قریب پہنچ چکے تھے، چنانچہ ان کے ایک شہر قونیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سلجوقی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے ان اوباشوں کے لشکر پر حملہ کر کے انھیں تباہ کر دیا۔ 25 ہزار میں سے صرف تین ہزار صلیبی بھاگ کر جانیں بچا سکے۔ اس طرح پطرس راہب کی زیرِ قیادت کیا جانے والا یہ حملہ ناکام ہوگیا۔ یہ حملہ ''عوامی حملہ'' کے نام سے مشہور ہوا، البتہ پطرس قتل ہونے سے بچ گیا۔

صلیبی حملے کی دوسری لہر ''سرداروں کا حملہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہلے حملے کی نسبت زیادہ منظم

پہلی چار صلیبی جنگیں (1096ء تا 1204ء)

تھا اور اس کی تیاری بھی بہتر تھی۔ اس میں یورپ کے بہت سے سردار شامل تھے جو مختلف اوقات میں یورپ سے آئے تھے اور اپنے ساتھ بڑی تعداد میں تربیت یافتہ فوجی اور سوار لائے تھے۔ اس کے علاوہ وہ سیاسی طور پر زیادہ منظم تھے اور بازنطینی بادشاہ سے تعاون کے لیے زیادہ مستعد تھے، اس لیے انھیں مسلسل کمک پہنچتی رہی۔ یہ سردار آبنائے باسفورس پار کر کے اناطولیہ کی طرف روانہ ہوئے۔
انھوں نے سلجوقی سرداروں سے کئی لڑائیاں کیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح یاب ہوئے۔ وہ اناطولیہ کے کئی شہروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے، جن میں نیقیہ کا شہر سرفہرست تھا۔ [1]

اس کے بعد وہ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک لشکر نے بالڈوِن کی قیادت میں مشرق کا رخ کیا۔ ان کی منزل ”رہا“ کا شہر تھی جہاں ارمن قوم کی

---

[1] فوشے شارتری کی تاریخ الحملة إلى القدس: 64، فائد حماد عاشور کی جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 229/1، و الكامل: 274/10.

تعداد بہت زیادہ تھی۔ انھوں نے صلیبیوں کو حمایت اور تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی، چنانچہ انھوں نے 490ھ میں ''رہا'' پر قبضہ کر کے پہلی صلیبی حکومت قائم کر لی جس نے بعد میں آہستہ آہستہ پڑوس کے اسلامی علاقوں پر قبضہ کر کے قابل ذکر سلطنت بنا لی۔

صلیبیوں کے دوسرے لشکر نے ''بوہیمنڈ'' کی قیادت میں جنوب کا رُخ کیا۔ انطاکیہ ان کی منزل تھی۔ اس وقت اس کا امیر ''یاغی سیان سلجوقی'' تھا۔ اس نے شہر کا دفاع کرنے میں جان کی بازی لگا دی۔ صلیبیوں نے نو ماہ سے زیادہ اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن وہ ان کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اس نے دمشق، حلب، بغداد اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور ان کے باہمی اختلافات شدید تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے کوئی قابل ذکر مدد نہ مل سکی۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ فاطمی حکومت نے صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا کہ انطاکیہ کو مدد نہ پہنچنے دی جائے تاکہ اس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جائے۔ اس کے عوض صلیبیوں نے فاطمیوں کو اجازت دی کہ وہ عباسیوں کے حامیوں سے بیت المقدس چھین کر اس پر قبضہ کر لیں۔ [1]

متعدد معرکوں اور طویل محاصرے کے بعد ایک ارمن نے سلجوقی سردار سے غداری کرتے ہوئے صلیبیوں کے لیے انطاکیہ شہر کے دروازے کھول دیے۔ انھوں نے شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت شروع کر دی۔ بہت کم مسلمان بچ کر نکل سکے۔ اس کے نتیجے میں قریبی علاقوں کے مسلمان خوف زدہ ہو گئے اور بہت سے مسلمان علاقہ چھوڑ کر چلے گئے، چنانچہ صلیبیوں کو جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے میں مزید آسانی ہو گئی۔ اس طرح بوہیمنڈ کی قیادت میں انطاکیہ میں دوسری صلیبی حکومت قائم ہو گئی اور شام کے شمالی اور شمال مغربی حصوں میں صلیبیوں کے دو مرکز قائم ہو گئے۔ صلیبی نو ماہ تک انطاکیہ میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے اپنے قدم مضبوط کیے اور انھیں مزید کمک مل گئی، پھر انھوں نے جنوب میں اپنے اصل مقصود، یعنی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں انھوں نے کئی مقامات پر قبضہ کیا۔ ان میں سے ایک معرۃ النعمان کا شہر تھا۔ یہاں انھوں نے وحشیانہ قتل عام کرتے ہوئے تمام باشندوں کو شہید کر دیا۔ [2]

[1] الكامل، حوادث سنة 491. 273/10، نیز دیکھیے: ڈاکٹر حامد غنیم ابوسعید کی الجبهة الإسلامية في عصر الحروب الصليبية:146/1، غامدی کی الجهاد ضد الصليبيين في الشرق الإسلامي:119، ڈاکٹر المعاضیدی و دیگر کی تاریخ الوطن العربي والغزو الصليبي:39، صور کے پادری ولیم کی تاریخ الحروب الصلیبیة، عربی ترجمہ از سہیل زکار:394/1۔

[2] تاریخ الحروب الصليبية:50.

اس کے بعد صلیبیوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں وہ طرابلس، بیروت، صور اور دیگر مقامات سے گزرے۔ شام کے عیسائیوں، خاص طور پر لبنانی عیسائیوں نے صلیبیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کا استقبال کیا، انھیں مبارک باد دی اور ان کی تعریف کی۔ انھوں نے ان کو بیت المقدس پہنچنے کے لیے راستہ بتایا اور ان کی رہنمائی کی۔ صلیبی انھیں ''مقامی مومن'' کہتے تھے۔ آخر وہ بیت المقدس کے شہر تک پہنچ گئے۔ فاطمیوں نے صلیبی حملے سے چند ماہ پہلے ہی، عباسیوں سے دشمنی کی وجہ سے اسے سلجوقیوں سے چھین لیا تھا اور وہاں اپنے باطنی مذہب کی ترویج کی کوشش شروع کر دی تھی۔ مقامی فوج نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن فائدہ نہ ہوا۔ انھوں نے قاہرہ سے مدد مانگی لیکن کوئی مدد نہ ملی۔ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان کی مدد کے لیے مسلسل کمک آ رہی تھی۔ اس سے صلیبی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بیت المقدس کا دفاع کرنے والوں کی قوت مزاحمت کمزور ہوتی گئی، پھر صلیبیوں نے لکڑی کے برج بنائے اور ان کے ذریعے سے بیت المقدس کی فصیلوں کے اوپر تک پہنچ گئے۔ انھوں نے شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کیا اور وہاں موجود تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے مسجد اقصیٰ کی حدود میں ستر ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کیے۔ [1]

ایک صلیبی مؤرخ لکھتا ہے: ''وہ ہر طرف سے شہر کی سڑکوں پر اور میدانوں میں نکل آئے۔ انھوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں، زرہیں اور خود پہنے ہوئے تھے۔ انھیں جتنے دشمن (یعنی مسلمان) نظر آئے، ان کی عمر یا حالت کا خیال کیے بغیر بلا امتیاز قتل کر دیے۔ ہر جگہ خوف ناک مقتل پھیلے ہوئے تھے اور ہر طرف کٹے ہوئے سروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے حتی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لاشوں پر سے گزرے بغیر جانا، ناممکن تھا۔ سابق حکمرانوں نے شہر کے مرکز تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے بنا رکھے تھے پھر جب وہ آئے تو ایسا قتل عام ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ قائدین کے پیچھے پیچھے ایک ہجوم بڑھا آ رہا تھا، جو دشمنوں کے خون کا پیاسا تھا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھا۔'' [2]

وہ آگے چل کر لکھتا ہے: ''شہر میں ہر جگہ جو قتل عام ہوا، وہ انتہائی خوفناک تھا۔ یہ خوں ریزی اس قدر وحشیانہ تھی کہ خود فاتحین بھی دہشت زدہ رہ گئے تھے اور انھیں کراہت کا احساس ہو رہا تھا۔'' اس نے بیت المقدس میں صلیبیوں کے انتہائی مکروہ جرائم کی تصویر کشی اس طرح کی ہے: ''اکثر لوگوں نے ہیکل کے صحن میں پناہ لی

---

[1] الكامل: 283/10، و البداية والنهاية: 156/12. [2] تاريخ الحروب الصليبية: 435/1.

بیت المقدس کے قدیم شہر میں مسجد اقصیٰ کا گنبد نمایاں ہے

کیونکہ وہ شہر کے الگ تھلگ حصے میں واقع تھا اور وہ فصیل، برجوں اور دروازوں کی وجہ سے بہت محفوظ تھا، لیکن انھیں بھاگ کر یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ ٹانکرڈ نے لشکر کا ایک حصہ لے کر فوراً ان کا تعاقب کیا اور قوت کے زور پر ہیکل کے اندر جانے کا راستہ بنا لیا۔ ایک روایت کے مطابق اس خوفناک قتل عام کے بعد وہ بھاری مقدار میں سونا، چاندی اور جواہرات لے گیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ شورش ختم ہونے کے بعد اس نے یہ خزانے صحیح سالم (ہیکل کو) واپس کر دیے ہوں گے۔

دوسرے صلیبی قائدین جب شہر کے مختلف حصوں میں ہر سامنے آنے والے انسان کو قتل کر چکے تو انھیں خبر ملی کہ بہت سے لوگوں نے بھاگ کر ہیکل کے مقدس برآمدوں میں پناہ لے لی ہے، چنانچہ وہ سب کے سب وہاں جا گھسے۔ پیدل اور گھڑسوار صلیبیوں کی ایک بڑی تعداد اندر داخل ہوگئی اور ان تمام افراد کو قتل کر دیا جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ انھوں نے کسی پر رحم نہ کیا۔ وہ ساری جگہ مقتولین کے خون سے تر ہوگئی۔ حقیقت میں یہ خدا کا ان لوگوں کے خلاف برحق فیصلہ تھا جنھوں نے مسیح کے مقدس حرم کو، خرافات پر مبنی مذہبی اعمال سے، ناپاک کر دیا تھا اور اسے اس سے تعلق رکھنے والے مومنوں (یعنی عیسائیوں) کے لیے ایک اجنبی مقام بنا دیا تھا۔ (یہ خدا کا فیصلہ تھا) کہ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ اپنی موت کی صورت میں ادا کریں اور مقدس برآمدوں کو اپنے خون سے دھو کر پاک کریں۔

مقتولین کی اتنی بڑی تعداد کو دیکھنا ہی بڑے دل گردے کا کام تھا انسانی اجسام کے ٹکڑے ہر جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ زمین مقتولین کے خون سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سرکٹی لاشیں اور ٹوٹی پھوٹی پسلیاں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ اسی کو دیکھ کر دل خوف سے لبریز ہو جاتا تھا۔لیکن اس سے زیادہ لرزہ خیز منظر خود فاتحین کو دیکھنا تھا جو سر سے پاؤں تک خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ یہ منحوس منظر ان سب کے دل دہلا دیتا تھا جو انھیں دیکھ لیتے۔ کہتے ہیں کہ صرف ہیکل کی مقدس حدود میں دس ہزار کافر (یعنی مسلمان) ہلاک ہوئے۔ شہر میں ہر جگہ، سڑکوں اور میدانوں میں پڑی ہوئی لاشیں اس کے علاوہ تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد بھی مقدس ہیکل کے اندر قتل ہونے والوں کے برابر تھی۔

باقی لشکر شہر میں گھوم پھر کر ان بدنصیبوں کو تلاش کرنے لگا جو ابھی تک زندہ تھے اور جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ موت سے بچنے کے لیے تنگ راستوں اور گلیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ انھیں سب کے سامنے گھسیٹ کر لایا جاتا اور بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا جاتا۔ کچھ لوگ جتھے بنا کر گھروں میں گھس گئے اور کنبے کے سربراہوں، ان کی بیویوں اور بچوں اور کنبے کے باقی افراد کو پکڑ لائے اور سب کو قتل کر دیا یا انھیں اونچی جگہ سے نیچے پھینک دیا گیا جہاں وہ انتہائی قابل رحم حالت میں سسک سسک کر مر گئے۔ کوئی حملہ آور جس گھر میں گھسا، اس نے اس کی دائمی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گھر میں موجود ہر چیز کا مالک بن بیٹھا کیونکہ مقدس شہر کے زائرین نے شہر پر قبضہ کرنے سے پہلے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شہر فتح ہونے کے بعد کوئی شخص جس چیز پر بھی قبضہ کر لے گا، وہ اس کا حق سمجھی جائے گی اور ہمیشہ کے لیے اس کی ملکیت ہو جائے گی، چنانچہ زائرین نے انتہائی باریک بینی سے شہر کی تلاشی لی اور بڑی بے باکی سے وہاں کے باشندوں کو شہید کیا۔ جو گھر الگ تھلگ اور عام آبادی سے دور تھے، وہ ان میں بھی گھس گئے اور دشمنوں کے انتہائی باپردہ اور پرائیویٹ کمروں میں بھی داخل ہو گئے۔ ہر فاتح جس گھر میں داخل ہوتا تھا، اس کے دروازے پر اپنی زرہ اور اسلحہ لٹکا دیتا تھا تاکہ دوسرا شخص قریب آئے تو یہ اشارہ دیکھ کر سمجھ جائے کہ یہ گھر کسی اور کی ملکیت ہو چکا ہے اور وہ آگے بڑھ جائے۔'' [1]

ایک اور مصنف بیت المقدس میں عیسائیوں کے مکروہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''عظیم فتح حاصل ہو جانے کے بعد اور آخری دو تین دن میں حد سے بڑھے ہوئے مجنونانہ جذبات کے تحت قتل و غارت اور

[1] ولیم صوری: 1/437,436۔

دہشت گردی کے بعد انھیں ذرہ برابر شک نہ رہا کہ بیت المقدس کا دفاع کرنے والے مسلمان رب سے نفرت کرنے والے ہیں، مقدس مقامات کو ناپاک کرنے والے ہیں، مسیح کے دشمنوں کے کارندے ہیں اور انجیل میں مذکورہ متروک مقام پر قابلِ نفرت چیز کی پوجا کرنے والے ہیں، اس لیے انھیں شہر میں جو بھی مرد، عورت یا بچہ نظر آیا، اسے انھوں نے بہت خوشی سے اور دل کے پورے اطمینان سے قتل کیا کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ اس طرح اللہ کا ارادہ پورا کر رہے ہیں۔ انسانوں کو ذبح کرنے کا یہ سلسلہ رات بھر بلکہ اگلی رات کے ایک حصے تک جاری رہا۔ جب دوسرے دن صبح کے وقت راہب ''ریمنڈ آف اگلیرز'' ہیکل کی زیارت کے لیے گیا، تو وہ انسانوں سے خالی اور لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسجد اقصیٰ پر ٹانکرڈ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مسجد اور قبۃ الصخرہ ذبح شدہ انسانوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا خون گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ شہر سے زندہ بچ نکلنے والوں میں صرف حاکم اور ان کے محافظ شامل تھے جنھوں نے ایک بڑی رقم فدیہ کے طور پر ادا کی تھی اور ریمنڈ نے ان سے بڑے بڑے خزانے وصول کر کے انھیں نکل جانے کی اجازت دی تھی۔ باقی تمام لوگوں کو ذبح کر دیا گیا۔ ان میں وہ یہودی بھی شامل تھے جو اپنے بڑے معبد میں جمع ہوگئے تھے۔ اس عمارت کو آگ لگا دی گئی اور وہ سب زندہ جل کر ختم ہوگئے۔ جب کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جسے وہ قتل کر سکتے تو فاتحین کنیسۂ قیامت کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ شہر کی گلیوں سے گزرے تو ان میں لاشیں بچھی ہوئی تھیں اور ان سے موت کی بدبو آ رہی تھی۔ وہاں جا کر انھوں نے خدا کی عظیم نعمت کا شکر ادا کیا کہ وہ صلیب فتح یاب ہوگئی ہے جس کے نام پر انھیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''[1]

یہ خود صلیبی مصنّفین کے الفاظ ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عیسائیوں کے تاریخی حوالوں سے عبارتیں نقل کروں جن کی یقیناً یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان حادثات کو نرم کر کے بیان کریں، ورنہ مسلمانوں کے تاریخی مراجع میں ان کے مظالم کی اس سے کہیں زیادہ تفصیل موجود ہے لیکن میں نے صرف وہی کچھ نقل

---

[1] انھونی برج کی تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 105,104.

کوہِ زیتون سے بیت المقدس کا ایک منظر

بیت المقدس میں مسجد عمر بن خطاب کا سبز دروازہ

کرنا مناسب سمجھا ہے جو انھوں نے خود بیان کیا ہے۔ [1]

اس مقام پر ہمیں یاد کرنا چاہیے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فتح کے موقع پر بیت المقدس میں کس طرح داخل ہوئے تھے۔ تب خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا تھا۔ ان کے گرجاؤں کے تقدس کو پامال نہیں کیا گیا تھا اور ان کے حقوق پر کوئی دست درازی نہیں کی گئی تھی بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حقوق کی ضمانت دی تھی اور مسلمانوں نے صلیبیوں کے قابض ہو جانے کے لمحات تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عہد کی مکمل پاس داری کی تھی۔ بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ 492ھ میں جمعہ کے دن 15 حزیران (جون) 1099ء کو ہوا تھا۔ [2]

مسجد اقصیٰ کے ساتھ ان کا سلوک یہ تھا کہ انھوں نے اس کی محراب کو الگ کر دیا اور وہاں کوڑا کرکٹ اور خنزیر پھینکنے لگے۔ مسجد کی عمارت کا کچھ حصہ شہید کر کے وہاں رہائش گاہیں تعمیر کر لیں۔ اس کے علاوہ پادریوں اور راہبوں کی ضروریات کے لیے کچھ عمارتیں بنا لیں۔ مسجد میں مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اگر کوئی مسلمان بچ گیا ہوتو ...... [3]

---

[1] اس المناک واقعے کے بارے میں مسلمان مصنّفین نے جو کچھ لکھا ہے، ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں: الکامل: 234/10، و النجوم الزاهرة: 148/5، و البداية والنهاية: 156/12، و جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 113، سعید برجاوی کی الحروب الصلیبیة فی المشرق: 168، عرب کے عیسائی مصنّفین میں سے ابن العبری کی تاریخ مختصر الدول: 197. [2] البدایة والنهایة: 156/12، نیز دیکھیے: سعید برجاوی کی الحروب الصلیبیة فی المشرق: 168. [3] دیکھیے ابن واصل کی مفرج الکروب: 217/2.

بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے احاطے میں قبۃ الصخرہ نمایاں ہے

بیت المقدس پر قبضہ کر کے انھوں نے تیسری صلیبی لاطینی ریاست کی بنیاد رکھی۔[1] اس کے بعد کے چند سالوں میں انھوں نے شامی ساحل اور فلسطین سے متصل علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی ریاست کی حدود میں اضافہ کر لیا، چنانچہ نابلس، عکّا اور قنسرین پر قبضہ ہوجانے کی وجہ سے ان کے قدم مضبوط ہوگئے۔ وہ طرابلس پر قبضہ کرنے کے لیے کئی سال کوشش کرتے رہے لیکن 502ھ/ 1109ء سے پہلے کامیاب نہ ہوسکے۔ اس کے بعد انھوں نے بیروت، بانیاس اور صیدا پر قبضہ کیا۔ 504ھ تک شامی ساحل کے اکثر حصوں پر صلیبیوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ ان علاقوں کے مسلمان فاطمیوں سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ ان کے قریب تھے اور ان کی مدد کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے عباسیوں اور ان کے سلجوقی امراء نے اس علاقے کے مسلمانوں کو بچانے کے لیے ان کی کوئی قابل ذکر مدد نہ کی، چنانچہ عیسائیوں نے چوتھی صلیبی لاطینی مملکت قائم کر لی۔ انھوں نے صیدا پر قبضہ کرنے کے بعد طرابلس کو اس سلطنت کا دارالحکومت بنا لیا تھا۔[2]

کوئی سوال کرسکتا ہے کہ جب یہ حملے ہو رہے تھے تو کثیر تعداد رکھنے والے مسلمان کہاں چلے گئے تھے؟ اور جذبۂ جہاد کہاں گم ہوگیا تھا؟ سچی بات ہے کہ یہ سوال برمحل ہے۔ لیکن جو شخص جانتا ہے کہ اس دور میں اور اس سے پہلے اسلامی دنیا کے کیا حالات تھے، اسے ان کی اس کمزوری پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت باطنی اور شیعہ مذہب عام ہو چکا تھا۔ فاطمیوں، اسماعیلیوں اور قرامطہ نے اسے زبردستی عوام پر مسلط کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں علاقے میں صلیبیوں کی آمد سے پہلے اور ان کی آمد کے وقت فاطمیوں کی افواج اہل سنت کو کچلنے اور ان کے اہم فوجی مقامات پر قبضہ کرنے میں مشغول تھیں۔ اس طرح وہ صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے، پھر عباسی سلطنت بھی کمزور ہوچکی تھی اور خلافت کا صرف نام باقی تھا۔ فوجی قوت سلجوقیوں کے ہاتھ میں تھی اور اس دور میں ان میں بھی کمزوری سرایت کر چکی تھی۔ ان کی اکثریت دنیا سے محبت کرنے والی اور موت سے ڈرنے والی تھی۔[3] اس کے باوجود بعض حکمرانوں نے صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ ان میں سب سے بڑی خامی باہمی تعاون کا فقدان تھا۔

---

[1] بیت المقدس (یروشلم) کی صلیبی ریاست کا بادشاہ فرانسیسی سردار گاڈفرے بنا تھا جو والیٔ رُہا بالڈون کا بھائی تھا۔ اگلے سال گاڈفرے کی وفات پر بالڈون یروشلم کا دوسرا حکمران بنا۔ (م ف) [2] الکامل: 479/10. [3] اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے دیکھیے: محمد العبدہ کی ''أیعید التاریخ نفسه؟'' (دراسة لأحوال العالم الإسلامي قبل صلاح الدین) کیا تاریخ خود کو دہراتی ہے؟ صلاح الدین سے پہلے عالم اسلامی کے حالات کا مطالعہ۔

صلیبیوں کے خلاف جہاد کی ابتدا

القدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جانے سے تمام مسلمان متاثر ہوئے۔ اسی طرح شام کے اندر صلیبی ریاستوں کے قیام سے شام کے تمام علاقے بلا استثناء متاثر ہوئے۔ بعض مقامی سردار ان کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے پر بلکہ بعض اوقات انھیں جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے علاوہ شام کے اہم راستوں پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا، چنانچہ مسلمان آزادانہ نقل وحرکت کرنے کے قابل نہ رہے۔ جن شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ بھی ہر وقت اس خطرے سے دوچار تھے، لہٰذا جب سے اسلامی ممالک میں صلیبی داخل ہوئے تھے، تبھی سے جہاد کی کوشش شروع ہوگئی تھی۔ ان میں سب سے نمایاں انطاکیہ وغیرہ مقبوضہ مقامات کی دفاعی جدوجہد تھی۔ علاوہ ازیں موصل کے امیر ''قوام الدولہ کربوغا'' نے انطاکیہ پر دشمن کا قبضہ ہونے سے چند ہفتے بعد ہی اپنا علاقہ واپس لینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ [1]

---

[1] دیکھیے ڈاکٹر مسفر غامدی کی الجهاد ضد الصليبيين في الشرق الإسلامي:138.

صلیبی قلعہ الکرک (اُردن) کا ایک منظر

ملطیہ (ترکی) میں نئی مسجد کا خوبصورت منظر

صلیبیوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کی مؤثر اور فعال جدوجہد کے لیے اہم اقدامات کی ابتدا ایک ترکمانی سردار گمشتگین بن دانشمند کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا والد سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے حامی سرداروں میں سے ایک تھا۔[1] اس نے اناطولیہ کے علاقے میں ملطیہ کے شمال میں اپنا مرکز قائم کیا، پھر بازنطینیوں سے علاقے چھینتے ہوئے اپنی ریاست کو وسیع کرتا رہا حتی کہ بحیرۂ اسود تک پہنچ گیا۔

رُہا اور انطاکیہ کی ریاستوں کے صلیبی شمال میں اناطولیہ اور جنوب میں شام کے علاقے میں آگے بڑھنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے کئی بار حلب پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں قلعے تعمیر کرنا شروع کر دیے تاکہ اشیائے ضرورت کو حلب پہنچنے

---

[1] اس سردار کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے پڑھیے: ڈاکٹر علی محمد عودہ غامدی کی کتاب المجاهد المسلم کمشتكين بن دانشمند: بطل الانتصارات الأولى على الصليبيين، طبع اول، مكتبة الصديق، طائف، 1411ھ۔

سے روک دیں۔ وہاں کے سرداروں کو کئی دفعہ صلیبیوں سے مجبوراً صلح کرنا پڑی لیکن صلیبی حلب پر قبضہ نہ کر سکے۔ تب انھوں نے شمال میں ملطیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ شہر شام اور اناطولیہ دونوں کے لیے برابر اہمیت کا حامل تھا۔ حالات صلیبیوں کے حق میں تھے کیونکہ یہ شہر ایک ارمن سردار ''جبریل'' کے ماتحت تھا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ گمشتگین بن دانشمند اس کے شہر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے انطاکیہ کی ریاست سے رابطہ کیا اور اس کے سردار ''بوہیمنڈ نارمنڈی'' کو پیشکش کی کہ وہ بعض شرائط پر اپنا شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار ہے۔ بوہیمنڈ نے اس تجویز سے اتفاق کیا، چنانچہ وہ ملطیہ کے حاکم جبریل ارمنی سے طے شدہ وقت پر ملاقات کے لیے اپنے چند سواروں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ لیکن امیر گمشتگین معلومات حاصل کرتا اور حالات کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ وہ بوہیمنڈ نارمنڈی اور اس کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی افواج کے ساتھ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا اور پھر گمشتگین نے بوہیمنڈ کی افواج کو تہس نہس کر دیا اور اسے اس کے ہمراہی بعض صلیبی سرداروں سمیت گرفتار کر لیا۔ یہ رمضان 493 ھ کا واقعہ ہے۔ [1]

بوہیمنڈ کی گرفتاری صلیبیوں پر ایک کاری ضرب تھی کیونکہ وہ پہلے صلیبی حملے کے بڑے قائدین میں سے تھا اور انطاکیہ کی نصرانی سلطنت کا بانی تھا، چنانچہ رُہا کی صلیبی ریاست کا حکمران بالڈون، گمشتگین کو پیچھے ہٹانے کے لیے حرکت میں آ گیا جس کی فوجوں نے ملطیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ گمشتگین نے یہی مناسب سمجھا کہ محاصرہ ختم کر کے اپنے قیدی بوہیمنڈ سمیت اناطولیہ کے اندرونی علاقے میں چلا جائے۔ اگرچہ گمشتگین ملطیہ پر قبضہ نہیں کر سکا، تاہم یہ مسلمانوں کی پہلی جہادی کوشش شمار ہوتی ہے۔ یہ اس لیے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس وقت علاقے میں پہلی صلیبی ریاست قائم ہوئے ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں بوہیمنڈ پر حاصل ہونے والی اس فتح سے حلب پر قبضے کی صلیبی کوشش کمزور ہوگئی، چنانچہ یہ شہر ان سے بچ گیا، نیز اس سے بعض مسلمان سرداروں کو حوصلہ ملا تو انھوں نے حلب اور انطاکیہ کے درمیان بعض جنگی مراکز اور دیگر مقامات پر حملے کرنا شروع کر دیے۔ [2]

بعض مقامی سردار مسلسل صلیبیوں سے مقابلے کی کوششیں کرتے رہے لیکن یہ کوششیں غیر منظم اور کمزور تھیں، لہٰذا حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے کا باعث نہ بن سکیں۔

صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والی ایک اہم شخصیت موصل کا امیر اتابک مودود بن تونتگین تھا۔ اسے یہ ذمہ داری

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة:474/1، و تاریخ ابن الوردي:16/2. [2] الکامل:485/10، 492، 495، وڈاکٹر علی غامدی کی کمشتکین:20.

عباسیوں نے اور ان کے سلجوقی سلطانوں نے سونپی تھی۔ اس نے 502ھ سے اپنی شہادت 507ھ تک رُہا اور انطاکیہ کے گرد و نواح میں صلیبیوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ [1]

مسلمان تو ''مودود'' کا احترام کرتے اور اس کا مقام تسلیم کرتے ہی تھے کیونکہ وہ صلیبیوں سے جہاد کر رہا تھا، صلیبی بھی اس کا احترام کرتے اور اس کا مقام تسلیم کرتے تھے کیونکہ وہ اپنی قوم، یعنی مسلمانوں کے لیے مخلص تھا۔ ایک سازش کے نتیجے میں وہ دمشق میں باطنی اسماعیلیوں کے ہاتھوں، جمعہ کے دن روزے کی حالت میں شہید ہوگیا۔ ایک فرنگی بادشاہ نے مودود کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دمشق کے حاکم کو خط لکھا۔ اس میں اس نے یہ بھی لکھا:

«إِنَّ أُمَّةً قَتَلَتْ عَمِيدَهَا، فِي يَوْمِ عِيدِهَا، فِي بَيْتِ مَعْبُودِهَا، حَقِيقٌ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّبِيدَهَا»

''جس قوم نے اپنے سردار کو، اپنی عید (یعنی جمعہ) کے دن، اپنے معبود کے گھر میں قتل کر دیا، وہ اسی لائق ہے کہ اللہ اسے ملیامیٹ کر دے۔'' [2]

صلیبیوں کا مقابلہ کرنے میں جن افراد نے اہم کردار ادا کیا، ان میں سے ایک ''اتابک ظہیرالدین'' بھی ہے جو دمشق کا حکمران تھا۔ اس نے 509ھ، 512ھ اور 513ھ میں صلیبی فوجوں سے جنگیں کیں اور کئی مقامات پر موصل اور حلب کے سرداروں سے تعاون کیا۔ اسی طرح موصل کا امیر ''سیف الدین آق سنقر برسقی'' 518ھ مطابق 1124ء میں حلب کے گرد صلیبیوں کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس دن کے بعد حلب اور موصل نے صلیبیوں کا مقابلہ کرنے اور ان سے جہاد کرنے کے لیے ایک اتحاد قائم کر لیا، پھر زنگی آ گئے جنھوں نے علاقے میں جہاد کی تحریک کو آگے بڑھایا۔

---

[1] معاضیدی اور اس کے ساتھیوں کی تاریخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 80. [2] التاريخ الباهر في الدولة الأتابكية: 19، نیز دیکھیے: الكامل: 10/497.

عمادالدین زنگی کے جہادی کارنامے

جب موصل پر سلجوقیوں کا مقرر کردہ اتا بک تونتگین کا بیٹا مودود حکومت کر رہا تھا، تو عماد الدین زنگی موصل کا ایک کمانڈر تھا۔ اس نے موصل کے دوسرے سرداروں کے ساتھ مل کر صلیبیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ اس وقت موصل کی حکومت کو رُہا کی صلیبی حکومت سے خطرہ تھا اور موصل کے خطرے میں ہونے کا مطلب یہ تھا کہ بغداد خطرے میں ہے، جو خلافت عباسیہ کا دارالحکومت تھا، چنانچہ 521ھ میں جب موصل کی امارت کا عہدہ خالی ہوا تو فوراً عمادالدین کو وہاں کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا گیا۔[1] چنانچہ موصل کا نظم و نسق اور صلیبیوں سے جہاد اس کی براہ راست ذمہ داری بن گیا۔

عمادالدین جب سے موصل کا گورنر مقرر ہوا تھا، تب سے اس کا سارا دھیان صلیبیوں سے جہاد کی طرف تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے کام کی ابتدا موصل سے کرے، یعنی دشمنوں سے جہاد شروع کرنے سے پہلے وہاں کے حالات درست کرے اور وہاں کے لوگوں میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرے، چنانچہ اس نے قلعوں کا

---

[1] الباهر:35، و الكامل:10/641-643، و البداية والنهاية:12/198.

سلجوقی فوج کی یلغار کا ایک منظر

جائزہ لیا، ان کے امیر (کمانڈر) مقرر کیے اور اپنی امارت کے طول وعرض میں لشکر ترتیب دیے۔ اس کے علاوہ زنگی نے 522,521ھ کے دوران میں قریبی علاقوں میں اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا، خاص طور پر مغرب کی طرف، جہاں شام کا ملک واقع تھا اور وہاں صلیبیوں سے سامنا ہونے کی توقع تھی۔ اس کے حسن تدبیر اور حسن سلوک کی وجہ سے اسے بہت سی قریبی قوتوں کو متحد کر کے اپنی صفوں میں شامل کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ وہ شمالی عراق اور شام میں ایک مضبوط اسلامی محاذ تشکیل دینے میں کامیاب ہوگیا جس کی حدود موصل سے حلب تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس میں الجزیرہ، حلب اور دوسرے بہت سے قریبی شہر شامل تھے۔[1]

اس کے باوجود اسے بعض اوقات شام کے بعض لیڈروں اور کمانڈروں کی طرف سے مشکلات پیش آتی رہتی تھیں جنھیں اپنے ذاتی مفادات کی فکر تھی۔ خاص طور پر دمشق کے سرداروں نے نئے اسلامی محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور عمادالدین زنگی سے محاذ آرائی کرتے رہے۔ الجزیرہ، نصیبین اور دوسرے علاقے جو صلیبیوں سے متصل تھے، وہاں کے لوگ بے کسی اور ذلت کی زندگی گزار رہے تھے کیونکہ وہ طاقتور صلیبیوں کے مقابلے میں کمزور تھے۔ صلیبیوں نے اپنے ہمسایہ مسلمان علاقوں پر جزیہ اور خراج عائد کر رکھا تھا۔

---

[1] الباهر: 35-37، و الروضتين في أخبار الدولتين: 31، و البداية والنهاية: 12/198، و وفيات الأعيان: 2/328.

شانلی اُورفا (الرہا، ترکی) کی برلبِ نہر مسجد

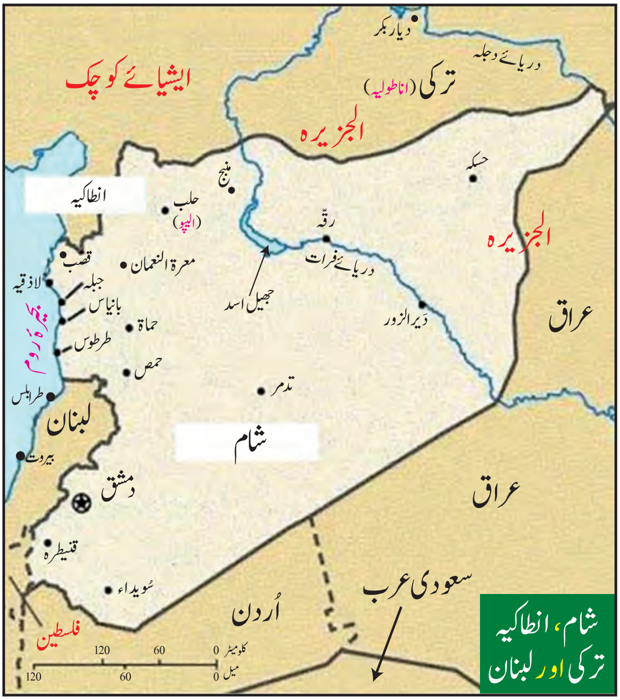

عمادالدین زنگی جب اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں اسلامی فوج تیار کر رہا تھا تو اس کی کوشش تھی کہ جب تک پوری طرح تیاری مکمل نہ ہو جائے، صلیبیوں سے ٹکر نہ لی جائے، اس لیے اس نے ''رُہا'' کے حاکم کاؤنٹ جوسلین دوم سے دو سال کے لیے معاہدہ کر لیا کہ اس مدت میں فریقین ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ جونہی معاہدے کی مدت ختم ہوئی، زنگی نے صلیبیوں کے خلاف جہادی نقل وحرکت شروع کر دی، جبکہ وہ اس کے لیے ضروری قوت تیار کر چکا تھا۔ کسی صلیبی ریاست پر قبضہ کرنے کی پہلی کوشش کا ہدف شام کے شمال مغرب میں واقع انطاکیہ کی ریاست تھی۔ یہ قدیم ترین صلیبی ریاست تھی اور اہم ترین بھی۔ یہ یورپ سے خشکی کے راستے آنے والے فرنگی لشکروں کے لیے شام کا دروازہ تھی۔ انطاکیہ کے بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد اس کی بیوی نے حکومت سنبھالی جو ایک کمزور خاتون تھی اور ریاست میں اس کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ عمادالدین نے اس ریاست کے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف اس خاتون نے عمادالدین سے رابطہ کیا اور اپنے مخالفین کے خلاف مدد مانگی لیکن یہ مذاکرات کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکے کیونکہ بیت المقدس کے فرنگیوں نے امدادی فوجیں بھیج دیں اور وہ ان کی بات ماننے پر مجبور ہوگئی۔

انطاکیہ کی صلیبی ریاست کا حلب کے مغرب میں اثارب نامی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں صلیبی سوار جمع رہتے تھے اور وہ مسلمانوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔ اس کے بل پر وہ حلب کے قرب و جوار کی زرعی زمینوں کا ٹیکس وصول کرتے تھے بلکہ حلب کے مغرب میں شہر سے متصل بہت سی زرعی زمینوں پر قابض ہو چکے تھے۔ یہ قلعہ خود حلب شہر کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکا تھا، چنانچہ عمادالدین نے اس پر قبضہ کرنے کی تیاری کی اور 524ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب شام کے دوسرے علاقوں کے صلیبیوں کو محاصرے کا علم ہوا تو وہ اس کا دفاع کرنے کے لیے بہت سی فوجیں لے کر آئے۔ زنگی نے اپنی افواج کو جمع کر کے

انھیں محصورین کی مدد کے لیے آنے والی صلیبی افواج کے بارے میں بتایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ زیادہ حضرات کی رائے یہ تھی کہ قلعے کا محاصرہ ترک کر کے پیچھے ہٹ جانا چاہیے کیونکہ صلیبیوں کی اتنی زیادہ افواج کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ زنگی نے اپنے ساتھیوں کی یہ رائے سن کر کہا: ''یہ تو ہلاکت کا منصوبہ ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ہم پر دلیر ہو جائیں گے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس پر قبضہ کرنے کی طمع کریں گے۔لیکن میری رائے یہ ہے کہ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان کا مقابلہ کریں، پھر خواہ فتح ہو یا شکست۔'' [1]

عماد الدین زنگی رحمہ اللہ اپنے لشکر کو لے کر آنے والے فرنگی لشکروں کی طرف بڑھے۔ شدید جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے بہت سے عیسائی قتل اور گرفتار کیے، پھر مسلمانوں کا لشکر دوبارہ اثارب کے قلعے پر حملہ آور ہوا اور اس کا دفاع کرنے والوں کو قتل کر کے اس پر قبضہ کر لیا، پھر انھوں نے قلعے کو توڑ پھوڑ دیا حتیٰ کہ جنگ کے لیے اس کی کوئی قابل ذکر افادیت نہ رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوف محسوس ہوا کہ اگر وہ اس پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکے، تو اس پر دوبارہ صلیبی قابض ہو جائیں گے۔ اس قلعے کے ختم ہو جانے سے حلب اور اس کے قرب و جوار کے لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو گئے اور انھوں نے اس سے متصل زمین آباد کر لی۔

---

1 الباهر:40، والكامل:663/10، نیز دیکھیے: البداية والنهاية:200/12.

زنگی جونہی اثارب کی فتح سے فارغ ہوا، اپنا لشکر لے کر حلب کے قریب حارم کے قلعے کی طرف روانہ ہوگیا اور اسے فتح کرنے کی امید پر اس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کے صلیبیوں نے اس سے خط کتابت کی اور صلح کی درخواست کی۔ انھوں نے یہ پیشکش کی کہ اگر وہ انھیں چھوڑ دے تو وہ حارم کا نصف خراج اسے دے دیا کریں گے۔ عمادالدین نے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا اور ان کا محاصرہ ترک کر کے چل دیا۔ [1]

عمادالدین خود تو عراق میں کچھ ضروری کام نمٹاتا رہا اور شام میں اپنے نائب مقرر کر دیے جو صلیبیوں سے جہاد کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک امیر ''اسوار'' تھا جو حلب میں اس کا نائب تھا۔

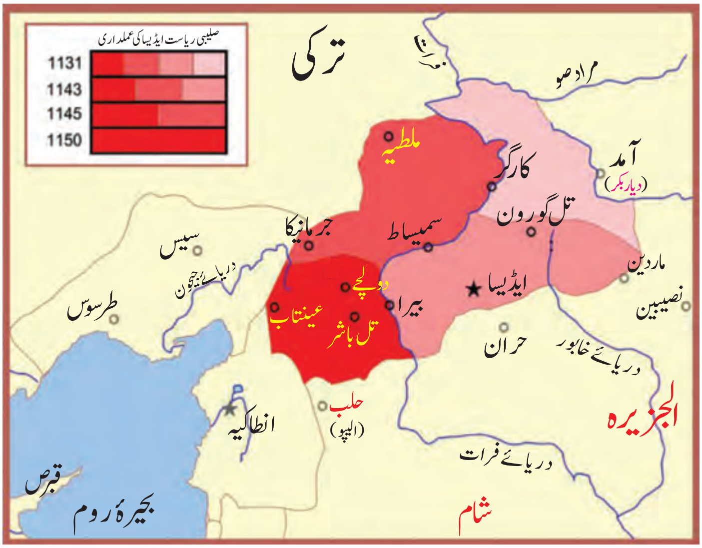

اس نے 527ھ میں حلب پر صلیبیوں کا حملہ کامیابی سے پسپا کر دیا تھا۔ اس نے ان پر فتح پائی اور بہت سے گروہ تہ تیغ کیے تھے۔ اسوار نے صلیبیوں سے صرف اپنے شہر کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ پہل کرتے ہوئے حلب کا لشکر لے کر صلیبیوں کے بعض مقامات پر حملہ آور بھی ہوا۔ مسلمانوں کے صلیبیوں کے خلاف جہاد میں یہ ایک بڑی پیش رفت تھی کہ بڑے قائد کی غیر موجودگی میں اس کے نائب خود کارروائی کرنے کے قابل ہوگئے۔ اسوار نے تل باشر پر بھی حملہ کیا جو حلب کی امارت کے قریب صلیبیوں کا ایک قلعہ تھا۔ فرنگیوں سے اس کی سخت جنگ ہوئی جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور تقریباً ایک ہزار عیسائی سوار اور پیادے قتل ہوئے، پھر امیر نے 530ھ میں حلب اور حماۃ کی فوجوں کو لے کر لاذقیہ پر حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ امیر اسوار نے فرنگیوں کی پیش قدمی روک دی اور بہت سے فرنگیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ قیدیوں کی تعداد تقریباً سات ہزار تھی اور تقریباً ایک لاکھ مویشی غنیمت میں ملے۔ ''مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور فرنگی اتنے عاجز اور کمزور تھے کہ اس کے مقابل کچھ نہ کر سکے۔'' [2]

---

[1] الباهر:42، والكامل:663/10، والجبهة الإسلامية:260. [2] الكامل:40/11.

زنگی کا ایک اہم کارنامہ ''بعرین'' کے قلعے پر حملہ ہے۔ حمص کے قریب صلیبیوں سے جھڑپ کے بعد یہ حملہ ہوا۔ صلیبی افواج عمادالدین کو قلعے پر قبضہ کرنے سے روکنے کے لیے بیت المقدس کے بادشاہ ''فلک'' اور طرابلس کے کاؤنٹ ریمنڈ کی زیر قیادت روانہ ہوئیں لیکن عمادالدین نے محاصرہ جاری رکھا۔ اس وقت قلعے کے محصورین کو چھڑانے کے لیے صلیبیوں کی بڑی بڑی فوجیں شام کے مختلف شہروں اور قسطنطنیہ سے روانہ ہوئیں لیکن عمادالدین نے محصورین تک یہ خبر نہ پہنچنے دی، چنانچہ انھوں نے مایوس ہو کر عمادالدین کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا، جبکہ امدادی فوجیں راستے میں تھیں اور ایک دو دن میں ان تک پہنچنے والی تھیں۔ جب وہ قلعے سے نکل گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کی مدد کے لیے ان کے مددگار جمع ہو کر آرہے تھے۔ تب انھیں ہتھیار ڈالنے پر ندامت ہوئی لیکن اب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔[1]

صلیبی شاہِ یروشلم فُلک کا سکّہ

عمادالدین زنگی نے بازنطینی حکومت کا شام پر حملہ بھی روکا۔ یہ لشکر بازنطینی بادشاہ ''حنا کومنین'' کی قیادت میں شام پر حملہ کرنے آرہا تھا کیونکہ شام کے عیسائیوں نے ان سے مدد مانگی تھی۔ وہ 531ھ میں شام پہنچا اور انطاکیہ میں آکر ٹھہرا۔ وہاں خشکی کے راستے سے اور سمندر کے راستے سے آنے والی ان کی

---

[1] الکامل: 52/11، نیز دیکھیے تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 688/2.

شمالی لبنان میں سب سے بڑا شہر طرابلس (ٹریپولی)

حلب کا خوبصورت شہر جسے جدید جنگ نے تباہ کر دیا

فوجیں جمع ہوگئیں۔ وہ انھیں لے کر مشرق کی طرف بڑھا اور کئی اسلامی مقامات، مثلاً: نیقیہ، عین زربہ اور تل حمدون وغیرہ پر قبضہ کر لیا، پھر وہ بزاعہ کی طرف چلا۔ یہ حلب سے قریب ترین قلعہ تھا۔ رومیوں نے بادشاہ کی زیر قیادت اس پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے یہاں خوف ناک قتل عام کیا اور یہاں کے ہزاروں باشندوں کو قتل اور پانچ ہزار سے زیادہ افراد کو زخمی کر دیا۔ انھوں نے کچھ لوگوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا۔[1]

بازنطینی بادشاہ حلب پہنچنا چاہتا تھا۔ بزاعہ تو اس کی نظر میں راستے کا ایک پڑاؤ تھا لیکن بزاعہ والے حلب والوں کو مطلع کرنے میں کامیاب ہوگئے، چنانچہ حلب والوں نے عمادالدین زنگی کی افواج کے تعاون سے حلب میں دفاعی انتظامات مضبوط کر لیے۔ زنگی حلب میں موجود نہ تھا۔ انھوں نے اسے خط لکھ کر پیش آمدہ خطرے سے آگاہ کیا۔ اس نے کچھ سوار حلب کے دفاع میں شریک ہونے کے لیے بھیج دیے تاکہ وہاں کے باشندوں کا حوصلہ بڑھے۔ اتنے میں رومی اور ان کے حلیف شامی فرنگی بھی پہنچ گئے اور حلب کا محاصرہ کر لیا۔ حلب کے باشندے بہادروں کی طرح ڈٹ گئے۔ اس کے بوڑھے، جوان اور نوجوان صلیبیوں پر چھاپہ مار حملے کرنے لگے۔ وہ اکیلے دکیلے صلیبی کو

[1] الکامل: 56/11، و الحروب الصلیبیة: 344، نیز دیکھیے: البدایة والنهایة: 212/12، و المنتظم: 73/10.

حماہ (شام) کے شمال مغرب میں قلعہ شَیزر

قتل کر دیتے، ان پر حملہ کر کے بھاگ جاتے اور خود محفوظ رہتے۔ وہ چوری چھپے ان کی چھاؤنیوں میں گھس جاتے۔ اس سے دشمنوں کے دلوں میں رعب پڑ گیا۔ اس کے علاوہ حلب کے حفاظتی اقدامات کی وجہ سے بھی وہ اس پر قبضہ کرنے سے ناامید ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی اور ان کے مددگار صلیبی تین دن محاصرہ جاری رکھنے کے بعد اسے ختم کرنے پر مجبور ہو گئے اور اثارب کے قلعے کی طرف بڑھے جو زنگی نے صلیبیوں سے واپس لے لیا تھا۔ قلعہ کے اندر موجود مسلمان ڈر گئے اور خود ہی قلعہ کو اور اس کے اندر موجود سامان کو

آگ لگا دی تاکہ صلیبی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ رومیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے اس میں بڑی تعداد میں مسلمان قیدی جمع کر لیے اور کچھ رومی سپاہیوں کو پہرے پر مقرر کر کے وہاں سے چلے گئے۔ حلب کا امیر ''اسوار'' دور سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جونہی رومی وہاں سے گئے، اس نے اثارب کے قلعے پر اچانک حملہ کر کے رومی محافظوں کو قتل کیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔ وہ غنیمت حاصل کر کے خیریت سے واپس حلب پہنچ گیا۔ [1]

اس کے بعد رومیوں نے ''شیزر'' پر حملہ کیا۔ یہ آل منقذ کی آزاد ریاست تھی۔ وہاں کے سرداروں نے عمادالدین زنگی سے مدد مانگی۔ اس نے ایک لشکر تیار کر کے رومیوں پر حملے شروع کر دیے اور ساتھ ہی کچھ ایسے اقدامات بھی کیے کہ رومیوں اور ان کے مددگار شامی عیسائیوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کی براہ راست جنگ نہیں ہوئی کیونکہ شاہِ روم نے یہی بہتر سمجھا کہ عمادالدین زنگی سے ٹکر نہ لی جائے اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ [2]

اس طرح وہ رومی صلیبی حملہ ناکام ہو گیا جس کا مقصد جہاد کے اس سلسلے کو ختم کرنا تھا جس کی قیادت اس وقت عمادالدین زنگی کے ہاتھ میں تھی۔ علاوہ ازیں عمادالدین کا رومیوں اور شامی صلیبیوں میں اختلافات پیدا کر دینا بھی حملے کی ناکامی کا ایک بڑا سبب تھا۔

533ھ میں عمادالدین شام میں مسلمانوں کے ان قلعوں کو واپس لینے میں کامیاب ہو گیا جن پر رومیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے کئی مقامات فتح کر لیے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ عمادالدین کو 534ھ سے 536ھ تک کے عرصے میں صلیبیوں کے ساتھ ساتھ دمشق کے مسلمانوں کی متحدہ فوج کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن اس مرحلے میں عمادالدین اپنے مخالف مسلمانوں کے اتحاد پر ہلکے پھلکے حملے ہی کرتا تھا تاکہ وہ صلیبیوں سے اپنے تعلقات مضبوط نہ کر لیں۔

عمادالدین کے کمانڈروں نے 536ھ میں انطاکیہ اور اس کے گرد و نواح پر متعدد کامیاب حملے کیے اور کئی مقامات پر صلیبیوں کو نقصان پہنچایا۔ ایک حملے میں سات سو سے زیادہ صلیبی ہلاک ہوئے اور مسلمان بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔ [3]

---

[1] الکامل: 57/11. [2] الکامل، 58/11، و الحروب الصلیبیة: 46، و عماد الدین زنگی: 147، و تاریخ الحروب الصلیبیہ: 697/2. [3] الکامل: 90/11، و عمادالدین زنگی: 162.

رُہا[1] کی فتح (جمادی الآخرۃ 539ھ)

رُہا ملک شام میں صلیبیوں کی اہم ترین اور قدیم ترین چھاؤنی شمار ہوتا تھا اور وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی سب سے خطرناک چھاؤنی تھی۔ اس کی وجہ سے شام اور الجزیرہ کے مسلمان خطرے میں تھے اور عراق میں اسلامی خلافت کا مرکز بھی۔ اس صلیبی ریاست نے کئی مقامات اور قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اردگرد کے علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا لیا تھا۔ اس کے ماتحت بہت سے قلعے تھے جو مسلمانوں کے رہا تک پہنچنے میں رکاوٹ کا باعث تھے۔ عمادالدین کے لیے جب سے موصل کے حالات سازگار ہوئے تھے، تب ہی سے وہ اس بڑے صلیبی مرکز پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس پر قبضہ کرنے کے لیے بہت زبردست تیاری کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس کے لیے دشمن کے حالات کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ اس کے جاسوسی کے محکمے نے اس کے حالات معلوم کرنے پر توجہ مرکوز کر دی۔ جمادی الاولیٰ 539ھ میں رُہا سے زنگی کے جاسوسوں کی رپورٹ موصول ہوئی کہ رُہا کا حاکم جوسلین دوم شام میں صلیبیوں کے کسی اہم مقام کی طرف گیا ہے۔[2]

عمادالدین زنگی مسیحی حکمران کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی فوج لے کر تیزی سے رُہا کی طرف روانہ ہوا اور اچانک وہاں پہنچ کر شہر کا شدید محاصرہ کر لیا۔ مسلمان محصورین کے لیے باہر سے آنے والی کمک کو مکمل طور پر روکنے میں کامیاب رہے۔ مسلمانوں کی منجنیقوں نے اس کی فصیلوں اور قلعے کو تباہ کرنے کے لیے ہر طرف سے مسلسل اور بلا وقفہ سنگ باری شروع کر دی۔ شام کے صلیبی اور خود رُہا کی فوج جو محاصرے سے قبل اپنے بادشاہ کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی، محصورین کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے انھیں شہر میں واپس آنے سے روک دیا جبکہ مسلمانوں کے لشکر کو مسلسل کمک مل رہی تھی، خاص طور پر ترکمان قبائل نے بہت مدد کی۔ نقب لگانے والے مجاہدین نے بڑی محنت سے فصیلوں اور قلعے کے کمزور حصوں میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی۔ اس وقت عمادالدین رُہا والوں سے مذاکرات اور خط کتابت کرتا رہا۔ اسے امید تھی کہ وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور شہر پرامن طور پر فتح ہو جائے گا۔ اس کے وعدوں

---

[1] رُہا کو عربی میں ''الرہا'' کہا جاتا ہے اور یونانی اسے ایڈیسا (Edessa) کا نام دیتے ہیں۔ ترکی کا یہ شہر سرحدِ شام کی طرف فرات کی ایک معاون ندی کے کنارے واقع ہے۔ ان دنوں اسے ''شانلی اُورفا'' یا صرف ''اُورفا'' کہا جاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 135)

[2] الکامل: 11/98، نیز دیکھیے: ابن القلانسی کی ذیل تاریخ دمشق: 279.

اناطولیہ (ایشیائے کوچک)
ترکی
سلجوقی سلطنتِ روم
قونیہ
آرمنی ریاست کلیکیا
سیس
اضنہ (ادانا)
صلیبی ریاست ایڈیسا
دریائے فرات
ایڈیسا (اُورفا)
تربسال
حران (1104ء)
الجزیرہ
بازنطینی سلطنت
صلیبی ریاست انطاکیہ
انطاکیہ
حلب
قبرص (بازنطینی سلطنت)
حشاشین
طرابلس (صلیبی ریاست)
سلطنت سلاجقہ عظمیٰ
بحیرۂ روم
دمشق
امارتِ دمشق
عکا
بادشاہت یروشلم
بیت المقدس (یروشلم)
عسقلان (1099ء)
فلسطین
عبیدی (فاطمی) خلافت
سیناء
عرب
0 کلومیٹر 50 100 150
0 میل 50 100
شمال
یوکرین
بلقان
بحیرۂ اسود
ترکی
ترکستان
بحیرۂ روم
عراق
ایران
لیبیا
مصر
عرب
مشرق قریب
(1135ء)
پہلی اور دوسری صلیبی جنگ کے درمیان

دریائے فرات پر جھیل اسد کے بائیں جانب قلعہ جعبر

کے باوجود شہر والوں نے یہ پیشکش تسلیم نہ کی۔ [1]

اب زنگی نے شہر کا محاصرہ پہلے سے سخت کر دیا۔ اس کی کوشش تھی کہ شہر جلد سے جلد فتح ہو جائے تاکہ شام کے دوسرے صلیبی مداخلت نہ کر سکیں۔ اٹھائیس دن شہر کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار مسلمان فصیل کے نیچے نقب لگانے اور اس میں آگ لگا کر اسے توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمادالدین زنگی بذاتِ خود نقب لگانے والوں کے کام کی نگرانی کر رہا تھا اور ان کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا۔ اس طرح مسلمان 26 جمادی الآخرہ 539ھ کو دن کی روشنی میں ''رُہا'' کو فتح کر کے اس میں داخل ہو گئے۔ [2]

شہر میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے موقع پر بے شمار صلیبی قتل ہوئے کیونکہ انھوں نے شدید مزاحمت کی تھی۔ اس فتح کے دوران میں مسلمان بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ شہر فتح ہو جانے کے باوجود شہر کے

[1] الباهر: 69، و الكامل: 98/11. [2] ذيل تاريخ دمشق: 280، و الباهر: 69، و الكامل: 98/11، و المنتظم: 112/10، و البداية والنهاية: 219/12، و عمادالدین زنگی: 152، و تاريخ الحروب الصليبية: 739/2.

قلعہ بند افراد دو دن تک مسلمانوں کے مقابلے میں جمے رہے، پھر وہ بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ زنگی نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ قتل سے رک جائیں اور قیدیوں سے حسن سلوک کریں۔ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی اور وہاں کے عیسائی باشندوں سے انصاف، حسن سلوک اور حسن انتظام کا معاملہ کیا۔ مسلمانوں نے شہر کی ان دفاعی تعمیرات کو دوبارہ بنانا شروع کر دیا جو منہدم ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ عمادالدین نے مشرقی عیسائیوں اور فرنگی عیسائیوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔ [1]

''رُہا'' کی فتح کو صلیبیوں کے خلاف جہاد کے ایک نئے مرحلے کی ابتدا سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ مسلمان شام میں صلیبیوں کی سب سے بڑی اور اہم ترین ریاست کو پہلی بار شکست دینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طرح قوت کا توازن، کم از کم نفسیاتی توازن، مسلمانوں کے حق میں ہو گیا، چنانچہ وہ پہلے سے زیادہ دلیری سے صلیبیوں کے بڑے مراکز پر حملے کرنے لگے اور صلیبیوں پر مسلمانوں کی ہیبت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ [2]

عمادالدین زنگی رُہا کی فتح کے بعد رُکا نہیں بلکہ اس نے اس کے تابع دوسرے قلعوں پر مسلسل حملے کیے اور کئی قلعے فتح کر لیے، مثلاً: بیرہ کا قلعہ 539 ھ کے شروع میں فتح کر لیا تھا۔ [3]

رُہا کی فتح کے بعد عمادالدین زیادہ دیر زندہ نہیں رہا۔ اس نے بعض اسلامی مراکز پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی جن پر بعض آزاد سردار حکومت کر رہے تھے۔ ان میں آخری قلعہ جعبر تھا جو عقیلی کے بیٹوں کے ماتحت تھا۔ جب عمادالدین اس قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، تو اس کے کچھ غلام اس کے کمرے میں داخل ہوئے اور اسے سویا ہوا پا کر قتل کر دیا۔ عمادالدین جہاد اور قربانی سے بھرپور کئی سال گزار کر 5 ربیع الآخر 541 ھ کو شہید ہو گیا۔ [4]

عمادالدین زنگی کے کارنامے صلیبیوں کے خلاف اسلامی جہاد کی تاریخ کے ایک نئے باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نے شام کے ملک میں مسلمانوں کی سرزمین پر صلیبی قبضے کے خاتمے کی ابتدا کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر وسیع رحمت نازل فرمائے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] عماد الدين زنگی: 153. [2] دیکھیے: ولیم صوری کی کتاب: 240/2۔ [3] الباهر: 73. [4] وفيات الأعيان: 327/2، و الكامل: 110/11، و المنتظم: 119/10، و البداية والنهاية: 321/12، و سير أعلام النبلاء: 191/20، نیز عمادالدین زنگی کی وفات پر صلیبیوں کی خوشی کے لیے دیکھیے: تاريخ الحروب الصليبية: 742/2.

نورالدین محمود کے جہادی کارنامے

عمادالدین زنگی شہید کا بڑا بیٹا نورالدین زنگی اپنے والد کے ان بیٹوں میں سے تھا جن پر باپ اپنی زندگی میں انتظامی معاملات میں اعتماد کرتا تھا۔ 541ھ میں قلعہ جعبر کے محاصرے کے دوران میں جب اس کا والد شہید ہوا تو وہ اس کے ساتھ تھا، چنانچہ اس نے اپنے والد کے کفن دفن کے بعد اس کی انگوٹھی (شاہی مہر) لی اور حلب جا کر حکومت سنبھال لی۔ [1]

نورالدین کے بڑے بھائی سیف الدین زنگی نے موصل پر قبضہ کر لیا جو اس کے والد کا دارالحکومت تھا۔ اگرچہ اس کا بھائی موصل کے بارے میں اس سے رشک رکھتا تھا اور پھوٹ ڈالنے والوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کی، تاہم دونوں نے اتفاق قائم رکھنے، اختلاف نہ کرنے اور خود پسندی سے دور رہنے کی اہمیت محسوس کر لی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو صلیبیوں کی طرف سے

خطرہ تھا اور ان کے کسی بھی اختلاف سے صلیبی فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس لیے نورالدین نے اپنے بڑے بھائی سیف الدین کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس نے سیف الدین سے شام میں ملاقات کی اور کہا: ”میرا مقصد یہ ہے کہ حکمرانوں اور فرنگیوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم متحد ہیں تاکہ جو کوئی ہمیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اس سے باز آ جائے۔“ [2]

اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کیا:

---

[1] الکامل: 112/11، و مفرج الکروب: 109/1، نیز ابن وردی کی تاریخ: 66/2، و سیر أعلام النبلاء: 532/20.

[2] مفرج الکروب: 112/2.

﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' (الأنفال 8:46)

کچھ عرصے بعد 544ھ میں سیف الدین فوت ہوگیا۔ اس طرح حلب کی سلطنت اور اس کے تابع علاقوں پر نورالدین کا حکم چلنے لگا اور وہ کسی کا زیردست نہ رہا۔ [1]

نورالدین نے بچپن ہی سے قرآن کریم اور شہسواری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے والد نے اسے ایک عالم کے پاس بھیج دیا تھا کہ وہ اس کی تربیت کرے۔ جوان ہوا تو جہاد میں اپنے والد کے ساتھ رہا، اس طرح اسے اس میدان میں عملی تجربہ حاصل ہوگیا۔ وہ بیک وقت مجاہد بھی تھا اور عابد و زاہد بھی۔ اسے جب سے حلب کی حکومت ملی تھی، اس نے ملک کے اندرونی حالات کی اصلاح کو اور اسلام دشمن صلیبیوں اور ان کے مددگاروں سے جہاد کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا کیونکہ اب وہ صلیبیوں کے براہ راست مقابل تھا۔

عمادالدین زنگی نے ''رُہا'' شہر کو صلیبیوں سے آزاد کرایا تھا۔ 541ھ میں انھوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا جسے نورالدین نے پسپا کر دیا۔ جب انھیں عمادالدین کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ اب اس شہر کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں رہا لیکن نورالدین ان پر نظر رکھے ہوئے تھا، لہٰذا جوابی کارروائی کے نتیجے میں انھیں راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ نورالدین بہت دور اندیش آدمی تھا۔ اس نے شہر کے ارمنوں کو سزا دی جنھوں نے صلیبیوں کو حملے کی ترغیب دی تھی۔ [2]

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 192/20، و البداية والنهاية: 27/12. [2] الكامل: 114/11، و مفرج الكروب: 111/2، نیز دیکھیے: تاريخ الحروب الصليبية: 754/2، و جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 209.

قلعہ حلب کا صدر دروازہ

فرانسیسی ریمنڈ ڈی پواتیہ اور نور الدین زنگی کے درمیان جنگ کا منظر

علاوہ ازیں نور الدین نے حلب کے قریب صلیبیوں کے متعدد فوجی مراکز اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنی جدوجہد کو حلب کے مغرب کی طرف مرکوز کر دیا اور ان فوجی مراکز پر حملے کرنے شروع کر دیے جو انطاکیہ کی عیسائی حکومت کے ماتحت تھے، چنانچہ 542ھ مطابق 1147ء میں ''ارتاح'' فتح کر لیا اور انطاکیہ کے حکمران ''ریمنڈ ڈی پواتیہ'' سے کئی جنگیں لڑ کر اسے کئی مشرقی قلعوں سے محروم کر دیا۔[1]

دوسرے صلیبی حملے کی تحریک کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مسلمانوں نے ''رُہا'' کو صلیبیوں سے واپس لے لیا تھا۔ ان کو یہ شکست اس وقت ہوئی تھی جبکہ اس ریاست کو قائم ہوئے پچاس سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ شام کے اندر موجود دوسری صلیبی ریاستیں بھی شکست کھانے والی ہیں۔

دوسرے صلیبی لشکر کی قیادت جرمن بادشاہ ''کونراڈ دوم'' اور فرانس کا بادشاہ ''لُوئی ہفتم'' کر رہے تھے۔ یہ لشکر جب اناطولیہ سے گزر رہا تھا تو اس پر سلجوقیوں نے حملے کیے اور اس کے بہت سے افراد ہلاک کر دیے۔ اس صلیبی مہم کا زور ٹوٹ گیا، پھر یہ لوگ انطاکیہ پہنچے تو وہاں کے حکام نے اس لشکر کشی کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس طرح وہ اپنے قلعے اور فوجی ٹھکانے واپس لے لیں جو نورالدین نے ان سے چھین لیے تھے، تاہم لشکر نے بیت المقدس کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ تب انھوں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور زیادہ مناسب اقدام کے بارے میں غور کیا اور آخر دمشق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

---

[1] الکامل: 122/11، نیز دیکھیے: الجهاد ضد الصليبيين: 247، و جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 211.

دمشق پر ''معین الدین انز'' کی حکومت تھی جس کی صلیبیوں سے صلح تھی۔ اس نے بیت المقدس کی ریاست سے معاہدہ کر رکھا تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ نورالدین دمشق پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لے گا۔ جب صلیبیوں نے معاہدے کو فراموش کر کے ربیع الاول 543ھ میں دمشق پر حملہ کیا تو دمشق کے علماء اور عوام نے اپنے حاکم پر دباؤ ڈالا، چنانچہ معین الدین انز مجبور ہو گیا کہ وہ نورالدین محمود حاکمِ حلب سے اور اس کے بھائی سیف الدین حاکمِ موصل سے مدد طلب کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ دمشق کے باشندوں نے صلیبیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ نورالدین محمود کی امداد تو نہ پہنچ سکی لیکن صلیبیوں نے اس کی آمد کا خطرہ محسوس کیا اور دمشق کے قریب سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ [1]

اس صورتِ حال میں نورالدین محمود نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا کہ دمشق کو حلب کی سلطنت میں ضم کر لیا جائے لیکن وہاں کا حکمران معین الدین انز اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ تھا۔ نورالدین اس سے تعاون کے لیے پوری طرح تیار تھا، اگرچہ وہ اپنی حکومت کا اس کے ساتھ الحاق نہ کرتا۔ اس طرح

---

[1] الکامل: 130/11، ابوشامہ کی الروضتین في أخبار الدولتین: 134/1، و البدایة والنهایة: 224/12، و تاریخ الحروب الصلیبیة:2/785.

وہ معین الدین کو اس کے حلیف صلیبیوں سے الگ کرنا چاہتا تھا جو اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں سے تعاون کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔ [1]

نورالدین نے معین الدین سے معاملات طے کرنے میں سیاسی مہارت کا ثبوت دیا اور اسے مطمئن کر کے اپنے ساتھ ملا لیا، چنانچہ اس نے 544ھ میں کئی موقعوں پر صلیبیوں پر حملہ کرنے میں اس کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ شام کے صلیبیوں کا دوسرے صلیبی لشکر کے بعض سرداروں سے کچھ اختلاف ہوگیا، چنانچہ ان میں سے بعض نے نورالدین محمود سے مدد طلب کر لی۔ طرابلس کے حاکم ریمنڈ دوم نے طلیطلہ کے حاکم برٹرینڈ بِن الفانسو کے خلاف نورالدین سے مدد مانگی۔ یہ سپین کے ان حکمرانوں میں شامل تھا جو دوسرے صلیبی لشکر کے ساتھ آئے تھے۔ اس نے طرابلس کے حاکم کی مرضی کے خلاف العزیمہ کے قلعے پر زبردستی قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ نورالدین محمود اور معین الدین انر اپنی فوجیں لے کر موصل سے آنے والی بعض امدادی افواج کے ساتھ روانہ ہوئے اور العزیمہ کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور آخر کار اسے فتح کر لیا۔ الفانسو کا بیٹا اپنی والدہ سمیت گرفتار ہوا۔ سپین کے شاہی خاندان کے یہ دونوں افراد دوسرے صلیبی لشکر کے اہم قائدین میں شامل تھے۔ انھیں گرفتار کر کے حلب روانہ کر دیا گیا۔ [2]

اس طرح دوسرے صلیبی لشکر کی کوشش ناکام ہوگئی اور وہ منتشر ہوگئے۔ یہ نورالدین محمود کی پالیسیوں کا

---

[1] مفرج الکروب: 122/2، و الجهاد ضد الصلیبیین: 253، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 743/2. [2] الکامل: 132/11، و مفرج الکروب: 144/1، و الجهاد ضد الصلیبیین: 255.

نتیجہ تھا جو چاہتا تھا کہ صلیبیوں کا ہر جگہ مقابلہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ نورالدین نے حلب کے قریب متعدد مقامات پر صلیبیوں کو شکست دی۔ ان میں ایک مقام بیغری ہے، جہاں 543ھ میں نور الدین کے مجاہدین کے ہاتھوں صلیبیوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ یہ فتح انتہائی اہم تھی، چنانچہ نورالدین نے اس کا کچھ مالِ غنیمت عباسی خلیفہ ''**المقتفی لأمر الله**'' کی خدمت میں بھیجا اور کچھ سلجوقی بادشاہ ''مسعود بن محمد ملک شاہ'' اور اپنے بھائی ''سیف الدین غازی'' کو بھیجا۔ [1]

اس وقت سے شام کے مسلمان صلیبیوں کی طاقت کا مذاق اڑانے لگے۔ ''ان کی قوت اور شجاعت میں بے بہا اضافہ ہوا، چنانچہ ان کے دلوں سے عیسائی طاقت کا خوف نکل گیا، پھر وہ ان پر بلا تردد اور بے مثال انداز سے حملے کرنے لگے۔'' [2]

آیندہ سالوں میں نورالدین نے اسلامی افواج کو بڑی محنت کے ساتھ ناپسندیدہ عناصر سے پاک کیا۔ اس نے اپنے ماتحت علاقوں میں شیعہ اور اسماعیلیہ کے خلاف کارروائی کی۔ انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کرنے سے منع کیا اور اذان میں ان کا خودساختہ اضافہ ختم کر دیا اور ان پر سختی کی۔ تب انھوں نے اس کے خلاف صلیبیوں سے اتحاد کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ نورالدین نے کسی خاص فقہی مذہب کے خلاف تعصب رکھے بغیر تمام اہل سنت کی مدد کی۔ وہ خود تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر تھا لیکن اس نے جانب داری اختیار کیے بغیر دوسرے فقہی مسالک کے مدارس کی تعمیر میں بھی تعاون کیا۔ [3]

اس کے علاوہ نورالدین نے عوام پر ہونے والے ظلم کا سد باب کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دارالعدل قائم کیا جہاں وہ ہفتے میں دو دن بیٹھتا تھا اور رعایا کے مظالم کا ازالہ کرتا تھا، چنانچہ اُمراء (گورنرز) اور کمانڈر اس سے ڈرنے لگے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے مکمل طور پر باز آ گئے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا باہمی تعلق اور اتحاد مضبوط ہو گیا۔ [4]

نورالدین کی طبیعت میں خاکساری تھی۔ وہ علماء، غرباء اور حاجت مندوں پر بہت شفقت کرتا تھا۔ انھیں عطیات دیتا تھا۔ ایک موقع پر جب مالی حالات ناسازگار تھے، کسی نے اس سے کہا: ''اگر آپ (غریبوں پر ہونے والے) یہ اخراجات کم کر دیں اور اس رقم سے جہاد میں مدد لیں تو بہتر ہو۔'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم!

---

[1] مفرج الكروب:114/1. [2] تاريخ الحروب الصليبية:789/2. [3] سير أعلام النبلاء:532/20، و الجهاد ضد الصليبيين:243. [4] الروضتين في أخبار الدولتين:8/1، و سير أعلام النبلاء:536/20.

مجھے انھی لوگوں کی وجہ سے فتح کی امید ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ تمھیں کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور انھی کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ہے۔ میں ان لوگوں کا وظیفہ کس طرح بند کر سکتا ہوں جو میری طرف سے اس وقت بھی (دعاؤں کے) بے خطا تیروں کے ذریعے سے جنگ کر رہے ہوتے ہیں جب میں اپنے بستر پر سو رہا ہوتا ہوں!! کیا میں وہ رقم ان لوگوں پر خرچ کر دوں جو صرف اس وقت جنگ کرتے ہیں جب میں ان کے سامنے ہوتا ہوں اور ان کے تیر کبھی خطا ہو جاتے ہیں، کبھی نشانے پر لگ جاتے ہیں، پھر ان لوگوں کا بیت المال میں (مستحق ہونے کی وجہ سے) بھی حصہ ہے۔ میں ان کا حصہ دوسروں کو کیسے دے سکتا ہوں؟''[1]

بہت دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ مجاہدین دشمنوں سے جنگ کے دوران میں اگر کسی ہتھیار یا سامان سے محروم ہو جاتے، تو وہ ان کا نقصان پورا کر دیتا تھا جبکہ غنیمت میں سے ان کا پورا حصہ ان کے لیے چھوڑ دیتا تھا۔ (اس میں سے کچھ بھی سرکاری خزانے میں نہ رکھتا۔) وہ بہت متقی تھا، ہاتھ سے محنت کر کے روزی حاصل کرتا تھا،

[1] مفرج الکروب:136/1، و سیر أعلام النبلاء:537,536/20.

بیت المقدس اور بابِ دمشق

جنگِ عسقلان کا ایک منظر

بیت المال سے خرچ کرنے میں اسراف نہیں کرتا تھا اور اپنی غنیمت جہاد میں خرچ کر دیتا تھا۔ اس کے اچھے کردار کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے تھے اور اس کے شوقِ جہاد وشہادت کی وجہ سے اس کی زندگی ہی میں اسے ''شہید'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ [1]

جو امیر (سردار) اس کے ماتحت تھے، وہ تو اس سے محبت کرتے ہی تھے، دوسروں کے ماتحت امراء بھی اس سے محبت رکھتے تھے، اس لیے بعض امراء شوق سے اس کا ساتھ دیتے تھے، خاص طور پر فرنگیوں سے جہاد کے سلسلے میں اس کی حمایت کرتے تھے۔ اس نے ''طغتگین'' کے خاندان سے تعلق رکھنے والے دمشق کے حکمرانوں سے بھی اچھے تعلقات رکھے اور صلیبیوں کے خلاف ان کی مدد کی لیکن جب 547ھ میں رومیوں نے عسقلان پر حملہ کیا، تو وہ لوگ کھڑے تماشا دیکھتے رہے بلکہ عسقلان کے دفاع کے لیے نورالدین کی جدوجہد میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ علاوہ ازیں دمشق کے حکمران، صلیبیوں کے سامنے سرنگوں ہوگئے حتی کہ انھیں سالانہ جزیہ دینے لگے۔ دمشق کے حاکم مجیرالدین نے صلیبیوں کے سامنے کمزوری کا مظاہرہ کیا حتی کہ انھیں دمشق میں داخل ہوکر وہاں کے باشندوں سے ٹیکس وصول کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے تو انھیں یہ بھی اجازت دے دی کہ مسلمانوں نے جنگوں کے دوران میں جو عیسائی غلام بنائے تھے، صلیبی انھیں دیکھ لیں اور ان میں سے جسے چاہیں، آزاد کرا لیں۔ چنانچہ شام کے عوام اپنے حاکم سے تنگ آ گئے اور اسے اس کے چند مددگاروں سمیت قلعے میں بند کر دیا۔ نورالدین نے دمشق کے حاکم کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ فرنگیوں کی مدد حاصل نہ کرے اور اس سے نرمی کا سلوک کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر پر قبضہ

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 537/20.

کرنے کا منصوبہ بھی بنا رہا تھا۔ اس کے علاوہ نورالدین نے بہت سے کمانڈروں اور سرداروں کو اپنی طرف مائل کر لیا حتی کہ حاکم دمشق کے حامی بہت کم رہ گئے۔ اسی اثنا میں مجیرالدین نے فرنگیوں کو خط لکھ دیا کہ وہ اس کا دفاع کریں اور انھیں بہت سا مال دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن نورالدین فرنگیوں کے پہنچنے سے پہلے دمشق میں داخل ہو گیا۔ شہر کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ مجیرالدین تب تک دمشق کے قلعے ہی میں تھا۔ بعد میں اس نے نورالدین کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اسے حمص کی امارت دی جائے گی۔ نورالدین نے یہ وعدہ پورا کیا لیکن بعد میں اسے اس کی خیانت کا علم ہوا تو اس نے اسے معزول کر دیا۔

549ھ میں جب نورالدین نے دمشق کا انتظام سنبھالا تو تقریباً پورا شام متحد ہو گیا اور وہ اس کا بلا شرکت غیرے حکمران بن گیا، پھر 552ھ میں بعلبک کے عربی امیر نے بھی نورالدین کی قیادت تسلیم کر لی۔ اس کے علاوہ اس نے کئی اور شہروں اور مقامات پر قبضہ کر لیا جن میں بُصریٰ اور اس کے ملحقہ علاقے بھی شامل تھے۔ یہ 555ھ کا واقعہ ہے۔[1]

ان کارروائیوں کے دوران اور ان کے بعد نورالدین کو دوسری اسلامی طاقتوں سے الجھے بغیر شام کے شمالی اور جنوبی حصے میں صلیبیوں پر کاری ضربیں لگانے کا موقع مل گیا۔ اس طرح جو فوجیں مختلف امیروں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے الگ الگ تھیں، انھوں نے دشمن کے مقابلے میں شام کی متحدہ فوج کی صورت

[1] الکامل: 11/147، 149، 163، 188، و مفرج الکروب: 1/128،129 .

سرحدِ شام کے پاس بعلبک (لبنان) کے قدیم ہیلیو پولس ٹیمپل (مندر مدینۃ الشّمس) کے آثار

افامیہ (شام) کے آثار

اختیار کر لی۔ نورالدین کو بیت المقدس کے صلیبیوں سے وقتی طور پر جنگ بندی کا معاہدہ کرنا پڑا۔ اس دوران میں وہ انھیں اتنی رقم ادا کرتا رہا، جتنی دمشق کا سابقہ امیر ادا کیا کرتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے معاملات درست کرنے کا موقع مل گیا۔ 552ھ میں صلیبیوں نے نورالدین سے کیا ہوا معاہدہ بغیر کسی وجہ کے توڑنے کی جرأت کی، تب نورالدین نے جہاد کی ایک نئی لہر ابھارنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ [1]

مذکورہ بالا حالات میں نورالدین نے اسلامی صفوں کو متحد کرنے کے لیے کام کیا جبکہ اس نے جہاد بھی بند نہیں کیا۔ اس نے 544ھ میں انطاکیہ کی صلیبی ریاست سے جنگ کی اور حارم کا قلعہ تباہ کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر وہ اِنَب گیا اور اس کا

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 789/1.

محاصرہ کر لیا۔ مقابلے میں انطاکیہ کے سرکش فرنگی حکمران ''پرنس'' کی زیر قیادت بہت سی افواج جمع ہوگئیں۔ نورالدین کے لشکر سے ان کی شدید جنگ ہوئی جس میں فرنگیوں کو شکست ہوئی اور انطاکیہ کا بادشاہ ''پرنس'' مارا گیا۔ انطاکیہ والوں نے دوبارہ جمع ہوکر نورالدین پر حملہ کیا لیکن اس نے انھیں دوبارہ شکست دے دی۔ اس کے علاوہ 545ھ میں اَفامیہ کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔ [1]

546ھ میں نورالدین اور جوسلین کے مابین ایک اور بڑی جنگ ہوئی۔ یہ صلیبی سردار تل باشر کے علاوہ حلب کے آس پاس کے دوسرے قلعوں کا بھی نگران تھا۔ اس جنگ میں نورالدین کو شکست ہوئی۔ اس کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی اور نورالدین کا اسلحہ بردار گرفتار ہوگیا۔ جوسلین نے نورالدین کا مذاق اڑایا۔ وہ اس طرح کہ اس نے نورالدین کے ہتھیار اناطولیہ کے سلجوقی سلطان کو بھیج دیے جو نورالدین کا سسر تھا اور کہا: ''یہ آپ کے داماد کے ہتھیار ہیں۔ اس کے بعد آپ کے پاس اس سے بڑی چیز آنے والی ہے۔'' نورالدین نے اس بات کا بہت اثر لیا۔ وہ جوسلین کو پکڑنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہا۔ اس نے ترکمان سرداروں سے وعدہ کیا کہ جو شخص جوسلین کو زندہ یا مردہ حالت میں لائے گا، اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ جوسلین شکار کے لیے نکلا تو ایک آدمی کے قابو آگیا۔ اس نے پکڑ کر نورالدین کے حوالے کر دیا۔ اس نے گرفتار کرنے والے کو وعدے کے مطابق انعام دیا اور جوسلین کو گرفتاری کی حالت میں (546ھ) حلب لے گیا۔ اسے وہاں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ [2]

جوسلین کی گرفتاری اور قتل، نورالدین کا وہ اہم ترین کارنامہ تھا جس کی شہرت اسلامی دنیا کے کونے کونے میں

---

[1] الکامل: 144/11، و مفرج الکروب: 121/1، و البدایة والنهایة: 228/12، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 789/1.
[2] مفرج الکروب: 123/1، و تاریخ الحروب الصلیبیه: 793/2، و الجهاد ضد الصلیبیین: 259.

پہنچی۔ اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے اس کے زیر قبضہ بعض مقامات، مثلاً تل باشر وغیرہ فتح کر لیے۔
نورالدین نے انطاکیہ کی حکومت اور طرابلس کی حکومت سے کئی جنگیں لڑیں۔ ان میں سے ایک معرکہ 558ھ میں طرابلس کے قریب ہوا جس میں نورالدین کو شکست ہوئی اور وہ صلیبیوں کے ہاتھوں گرفتار یا شہید ہونے ہی والا تھا کہ ایک کُرد مسلمان نے بڑی بہادری سے دفاع کرتے ہوئے نورالدین کو ان کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ [1]

اس جنگ میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کا انتقام لینے کے لیے نورالدین نے دوبارہ صلیبیوں سے جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ صلیبیوں نے نورالدین کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی مختلف ریاستوں سے فوجیں جمع کیں۔ وہ 559ھ میں انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ سوم، طرابلس کے حاکم اور رومیوں کی طرف سے قلقلیہ (ترکی) کے گورنر ریمنڈ سوم کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ نورالدین انھیں دھوکا دینے کے لیے حارم سے پیچھے ہٹ گیا۔ انھوں نے انطاکیہ اور حلب کے درمیان ایک جگہ تک اس کا تعاقب کیا۔ تب نورالدین اور اس کے ساتھی مجاہدین نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ رومیوں کو بدترین شکست ہوئی۔ ان کے دس ہزار سے زیادہ فوجی قتل ہوئے اور ان کے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کے فوراً بعد نورالدین نے حارم پر قبضہ کر لیا۔ وہ انطاکیہ پر بھی حملہ کر سکتا تھا لیکن اس نے توقف کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اس وقت بازنطینیوں سے جنگ چھیڑنا درست نہیں تھا، جبکہ وہ ان سے مقابلے کے لیے پوری طرح تیاری کی حالت میں نہیں تھا۔ [2]

اس سال یعنی 559ھ (1163ء) میں نورالدین نے بانیاس پر حملہ کیا، اس کا محاصرہ کر کے سختی کی حتی کہ اس پر طاقت سے قبضہ کر لیا، حالانکہ صلیبیوں نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی۔ [3]

---

[1] مفرج الكروب:135/1، و الكامل:294/11. [2] الكامل:301/11، و مفرج الكروب:144/1، و تاريخ الحروب الصليبية:889/2، و الجهاد الإسلامي:270. [3] تاريخ الحروب الصليبية:891/2، و الكامل:304/11، و مفرج الكروب:721/1، و الجهاد الإسلامي:271.

بانیاس (شام) کے قریب حصن مرقب کے آثار

نورالدین نے 561ھ میں طرابلس کے قریب منیطرہ کے قلعے پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس نے قلعے میں موجود بعض صلیبیوں کو ہلاک کیا اور بعض کو گرفتار کیا۔ وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔[1]

اس مرحلے کے بعد نورالدین کے جہاد کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے، یعنی مصر کے صلیبیوں سے زور آزمائی۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ انھیں مصر سے نکال دے اور خود مصر پر قبضہ کر کے اسے شام میں مدغم کر لے اور اس طرح متحدہ طاقت کی تشکیل ہو جو صلیبیوں کا مقابلہ کر سکے۔

اس وقت مصر میں فاطمیوں کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ عملی طور پر وزیر ہی حکمران تھے اور مصر کے معاملات ان کے ہاتھ میں تھے۔ وزارت کا منصب حاصل کرنے کے لیے کمانڈروں میں باہمی مناقشت زوروں پر تھی۔ اس کشمکش میں بہت سے لوگوں کا خون بہہ چکا تھا۔ اس منصب کے حصول کے لیے ہر شخص صلیبیوں تک سے تعاون کے لیے بے جھجک تیار تھا اور فاطمی خلیفہ العاضد لِدِین اللہ خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ جو شخص بھی دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتا اور اپنے مخالف کا سر کاٹ لاتا، خلیفہ اسی کو وزیر بنا دیتا تھا۔ شاور بن مجیرالدین جو مصری افواج کا کمانڈر تھا، اس کا مستنصر الدین علی ضرغام سے جھگڑا ہو گیا۔ ضرغام نے اپنی قوت سے وزارت حاصل کر لی تھی۔ اس نے شاور کے ایک بیٹے کو قتل کر دیا۔

---

[1] الكامل:322/11، و مفرج الكروب:148/1، و البداية والنهاية:251/12، والنجوم الزاهرة لابن تغرى بردى:367/5.

شاور نے دمشق پہنچ کر ضرغام کے خلاف نورالدین سے مدد طلب کی اور درخواست کی کہ اسے اپنا منصب دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیے فوج مصر میں بھیجی جائے اور اس کے بدلے میں وہ نورالدین کی حمایت کا اعلان کر دے گا۔ نورالدین اس کی درخواست قبول کرنے کے بارے میں متردد تھا کیونکہ صلیبیوں کے ساتھ محاذ کی صورتِ حال نازک تھی۔ اسے بیت المقدس کی صلیبی ریاست سے خطرہ تھا کہ وہ مصر میں مداخلت کرے گی اور اسے کچھ بد دیانت افراد کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ اس طرح نورالدین اور اس کی افواج کے سامنے کچھ نئے محاذ کھل جائیں گے جن پر مقابلہ کرنا اس کی افواج کے لیے مشکل ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نورالدین کی یہ شدید خواہش تھی کہ شام کے ساتھ مصر کے دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں اور وہاں ایک اسلامی طاقت وجود میں آ جائے جس کی وجہ سے مصر کی عظمت اور شان بحال ہو جائے اور وہ صلیبیوں کے مددگار باطنیوں اور ان کے حمایتیوں سے کٹ کر صحیح مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ بہت سوچ بچار کے بعد نورالدین نے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ شاور کو اس کا چھنا ہوا منصب واپس دلانے میں مدد کے لیے وہ اپنے ایک کمانڈر ''اسد الدین شیرکوہ'' کو تقریباً دو ہزار فوجی دے کر بھیج دے گا۔ یہ جمادی الاولیٰ 559 ھ کا واقعہ ہے۔ نورالدین نے اپنے زیرِ قبضہ علاقوں میں فوجی کارروائیاں شروع کر دیں تاکہ صلیبیوں کی توجہ اسدالدین شیرکوہ کی طرف مبذول نہ ہو جو اس وقت اپنے دشمنوں، یعنی صلیبیوں کے علاقے سے

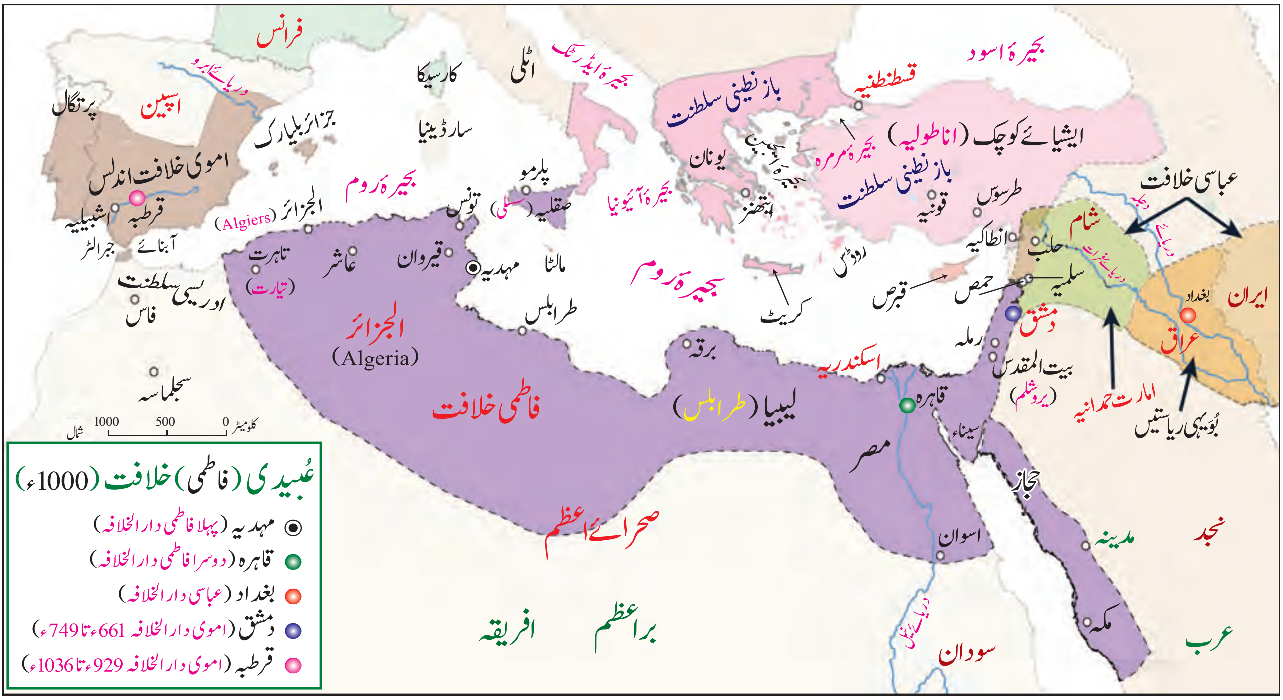

قلعہ شیرکوہ (شام) کی ایک نئی تصویر

گزر رہا تھا۔ شیرکوہ مصر پہنچا اور ضرغام سے جنگ کی جس میں شیرکوہ کو ضرغام پر فتح حاصل ہوئی۔ وہ بعد میں قتل ہوگیا اور شاور کے لیے میدان صاف ہوگیا، چنانچہ فاطمی خلیفہ نے اسے دوبارہ وزارت کا منصب دے دیا۔[1]

جب شاور کو اس کی خواہش کے مطابق وزارت مل گئی تو اس نے نورالدین سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا اور شیرکوہ کو مصر سے نکل جانے کو کہا۔ اس نے دھمکی دی کہ دوسری صورت میں وہ فرنگیوں کی مدد سے اسے نکال دے گا۔ جب شیرکوہ نے اس کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اس نے سچ مچ فرنگیوں سے مدد مانگ لی۔ فرنگی جو نورالدین کی فوجیں مصر پہنچنے سے پریشان تھے اور مصر پر اس کا قبضہ ہوجانے کا خطرہ محسوس کررہے تھے، انھیں موقع مل گیا، چنانچہ بیت المقدس کے بادشاہ ''عموری'' (Amalric) کی قیادت میں صلیبی فوجیں مصر پہنچ گئیں اور فاطمیوں نے ان سے تعاون کیا۔ چنانچہ بلبیس کے قریب نورالدین کی فوج سے ان کی جھڑپیں ہوئیں۔ آخرکار اس شرط پر صلح ہوئی کہ شیرکوہ اپنی فوج لے کر شام چلا جائے گا۔ اس کے بعد نورالدین نے شام میں صلیبیوں پر دباؤ بڑھا دیا اور انھیں بانیاس اور حارم میں شکست دی، چنانچہ صلیبیوں کو مصر سے اپنی فوجیں نکال کر نورالدین سے مقابلے کے لیے شام بھیجنی پڑیں۔ اس نے دوبارہ 562ھ میں اسد الدین شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مصر پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا تاکہ فاطمی وزیر شاور کو سزا دے جس نے نورالدین سے کیا ہوا معاہدہ توڑ کر صلیبیوں کو مصر میں آنے کی دعوت دی تھی۔ شاور کو جونہی خبر ملی کہ نورالدین کی فوج قریب آگئی ہے، اس نے فوراً ایک بار پھر صلیبیوں سے مدد مانگ لی۔ وہ

---

[1] البداية والنهاية: 247/12، والكامل: 298/11، والنوادر السلطانية والمحاسن اليوسفية: 36.

بھی فوراً مصر پہنچ گئے۔ قاہرہ اور اسکندریہ کے قریب اسد الدین کی فوج کی صلیبیوں سے کچھ لڑائیاں ہوئیں جن میں زیادہ تر اسد الدین کی جیت ہوئی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ فرنگیوں، ان کے مددگار فاطمیوں اور شاور کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تو اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ صلیبی فرنگی، نیز شیرکوہ اور نورالدین کے جو حامی اس کے ساتھ ہیں، وہ سب مصر سے نکل جائیں۔ [1]

مصر کے بعض علاقے صلیبیوں کے لیے کھلے رہے کیونکہ اسدالدین شیرکوہ اور اس کے ساتھیوں کے کوچ کر جانے کے باوجود کچھ صلیبی وہاں موجود رہے۔ صلیبیوں نے محسوس کیا کہ فاطمی ریاست کمزور ہو چکی ہے اور نورالدین کے چلے جانے کے بعد وہ ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی، چنانچہ انھوں نے بیت المقدس کے بادشاہ کو خط لکھ کر اس سے مصر آنے کا مطالبہ کیا لیکن اس بار صلیبیوں کا مصر میں داخلہ ''شاور'' کی درخواست پر نہیں تھا، چنانچہ وہ بڑی فوج لے کر آئے اور مصر کی فوج سے ان کی جھڑپیں ہوئیں جن کے نتیجے میں قاہرہ کے بڑے بڑے محلے جل گئے اور عوام بہت تنگ ہوئے۔ [2]

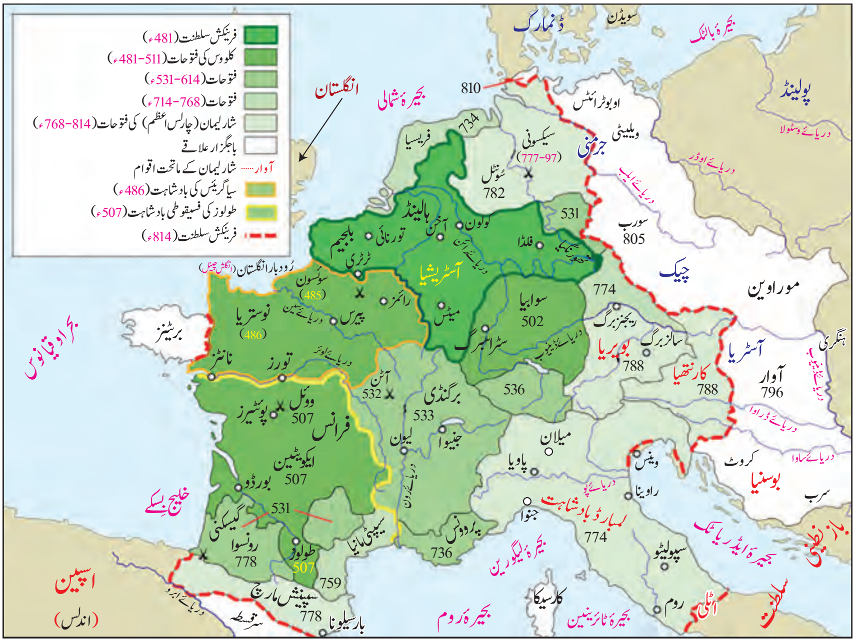

شاور وزیر نے اپنی گزشتہ غداریاں فراموش کرتے ہوئے ایک بار پھر نورالدین سے مدد مانگی۔ نورالدین نے فوراً اسدالدین شیرکوہ کو بھیج دیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھتیجا صلاح الدین ایوبی بھی تھا جو اپنے چچا شیرکوہ کے سواروں میں نمایاں مقام حاصل کرتا جا رہا تھا۔ جب اسد الدین شیرکوہ کی فوج قریب آئی تو صلیبی جنگ کیے بغیر مصر سے نکل گئے۔ یہ واقعہ ربیع الآخر 564ھ کا ہے۔ [3]

---

[1] الکامل: 324/11، و البدایة والنهایة: 252/12، و النوادر السلطانیة: 37، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 918/2.
[2] النوادر السلطانیة: 38، و البدایة والنهایة: 255/12، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 930/2.
[3] مفرج الکروب: 160/1، و الکامل: 334/11، و البدایة والنهایة: 255/12، و النوادر السلطانیة: 38.

اس طرح نورالدین کی فوجیں مصر پر بلا شرکت غیرے قابض ہوگئیں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ شیرکوہ کے ساتھیوں نے فاطمی وزیر شاور کو پکڑ کر قتل کر دیا، چنانچہ خلیفہ نے اسد الدین شیرکوہ کو فاطمی وزیر کے منصب پر مقرر کر دیا۔ اس طرح مصر میں فاطمی وزارت نورالدین کے مخلص ترین کمانڈر کو مل گئی اور مصر کی ساری فوج، اس کی املاک اور اس کی حکومت مکمل طور پر براہِ راست نورالدین محمود کے ہاتھ میں آگئی کیونکہ فاطمی خلافت کمزور ہوچکی تھی، صرف اس کا نام باقی تھا۔ دو ماہ پانچ دن کی مدت کے بعد اسدالدین شیرکوہ فوت ہوگیا، چنانچہ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کو فاطمی خلیفہ عاضد کا وزیر مقرر کر دیا گیا۔[1]

[1] الکامل: 342,341/11، و البدایة والنھایة: 256/12، و مفرج الکروب: 168/1.

یوں مصر کا بلکہ پورے عالم اسلام کا، کئی لحاظ سے ایک نیا دور شروع ہوگیا جس میں صلیبیوں سے جہاد کا پہلو سرفہرست ہے۔ اور اس تبدیلی کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان میں وہی رہے۔ [1]

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ نورالدین محمود نے صلیبیوں سے فوجی جہاد بھی کیا اور سیاسی جہاد بھی۔ اور آخری مرحلے میں کشمکش کا مرکز مصر تھا۔ اس وقت جاری کشمکش میں اس کی اہمیت نورالدین نے اور صلیبیوں نے بیک وقت محسوس کر لی تھی، بالخصوص اس لیے بھی کہ مصر کی فاطمی حکومت صرف ایک تماشائی کا کردار ادا کر رہی تھی بلکہ اس کے حکمران اور وزراء ایک دوسرے کے خلاف صلیبیوں کی مدد لینے سے بھی نہیں جھجکتے

---

[1] ولیم صوری کہتا ہے: ''زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کرنے کی شدید خواہش نے ہمیں ایک پرامن اور سلامتی والی حالت سے نکال کر ایک پریشانی اور اضطراب والی حالت میں دھکیل دیا۔ مصر کی تمام پیداوار اور اس کی بے حساب دولت سے ہماری تمام ضروریات پوری ہو رہی تھیں۔ ہماری سلطنت کی سرحدیں اس طرف سے محفوظ تھیں۔ جنوب کی طرف ہمارا کوئی دشمن نہ تھا جس سے ہمیں خطرہ ہوتا۔ جو لوگ ہمارے ملک میں آنا چاہتے، ان کے لیے سمندر کا راستہ پرامن اور محفوظ تھا۔ سازگار حالات کی وجہ سے ہماری قوم کے افراد مصر کی سرزمین میں بلاخوف وخطر داخل ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف مصر کے لوگ ہمارے ملک میں غیر ملکی سامان اور عجیب وغریب نئی نئی چیزیں لے آتے تھے جن سے ہم اس وقت تک واقف نہ تھے۔ وہ جب بھی ہم سے ملنے آتے تو بہت سی منافع بخش اشیاء لے کر آتے اور ہماری عزت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ ہمارے ملک میں بہت زیادہ مال خرچ کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمارا خزانہ بھر جاتا تھا اور ہمارے عوام کی انفرادی دولت میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن اب صورتِ حال برعکس ہوگئی ہے اور معاملات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں ...... جب میں نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے خوف اور قلق کے اسباب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ سمندر ہمیں پرامن راستہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ تمام ہمسایہ علاقوں پر دشمنوں کا قبضہ ہے جو ہمیں تباہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔''
(تاریخ الحروب الصلیبیۃ:936/2)

تھے۔ گویا فاطمی سلطنت آخری سانس لے رہی تھی۔ اس کے باوجود نورالدین نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ وہ مصر میں یکے بعد دیگرے لشکر بھیجتا رہا اور مایوس نہیں ہوا حتی کہ اسے فتح حاصل ہوگئی اور مصر پر اس کے ساتھیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ صلیبی جو کئی بار مصر میں داخل ہو چکے تھے، اب اس سے ناامید ہوگئے بلکہ وہ پورے شام سے بھی مایوس ہوگئے کیونکہ اب مصر اور شام میں ایک متحدہ قوت موجود تھی جس کا سب سے بڑا مطلوب شام کو صلیبی قابضوں سے پاک کرنا تھا۔ مصر پر قبضہ کرنے کے لیے نورالدین نے پانچ سال جو جدوجہد کی تھی، اس میں اس کا مطمح نظر یہی رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے شام میں بلکہ مصر میں بھی اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ صلیبیوں سے جنگ جاری رکھی۔

صلیبیوں نے 565 ھ میں مصر پر سمندر کی طرف سے حملہ کیا اور دمیاط تک پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ انھوں نے صلاح الدین کی افواج کو مشکل میں ڈال دیا جبکہ مصر کے حالات ابھی پرسکون نہیں ہوئے تھے، چنانچہ اس نے نورالدین سے مدد مانگی۔ وہ مصری مسلمانوں کو مشکل میں دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ صلیبی بحری حملے کے جواب میں اس نے صلیبیوں کے جنگی مراکز پر حملے شروع کر دیے۔ وہ اس معاملے میں بہت فکرمند تھا۔ کہتے ہیں: ایک عالم نے اسے مسکراہٹ کے بارے میں ایک حدیث سنائی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا: ”جناب! (حدیث پر عمل کرتے ہوئے) آپ بھی مسکرا دیں۔“ نورالدین نے جواب دیا: ”مجھے

صلیبی جنگ کے تیسرے مرحلے میں دمیاط (مصر) کی قلمی تصویر

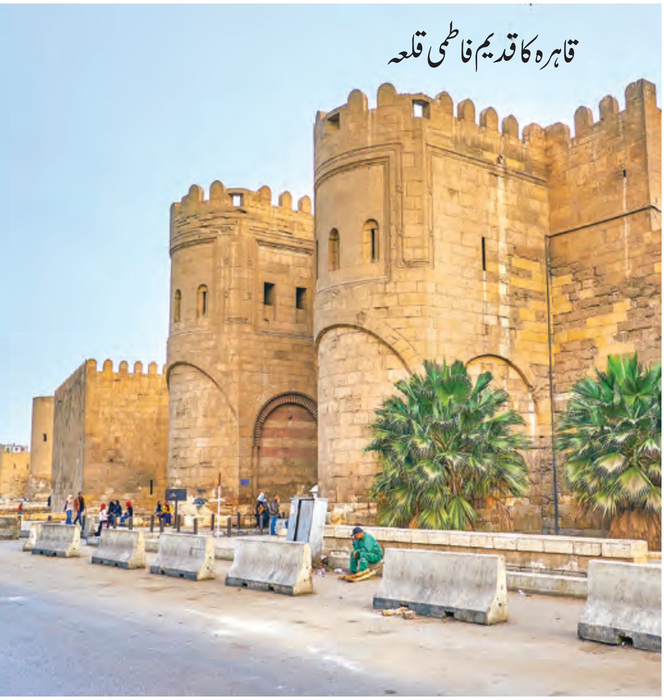
قاہرہ کا قدیم فاطمی قلعہ

اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے مسکراتا دیکھے جبکہ مسلمان فرنگیوں کے محاصرے میں ہیں۔'' [1]

نورالدین نے اس وقت مصر میں امدادی فوجیں بھیجنا شروع کر دیں جبکہ وہ خود شام کی طرف سے صلیبیوں پر دباؤ ڈال رہا تھا، چنانچہ صلیبی فوجیں پچاس دن تک دمیاط کا محاصرہ کرنے کے بعد ناکام لوٹ گئیں۔ [2]

نورالدین زنگی نے کوشش کی کہ صلاح الدین ایوبی کے تعاون سے صلیبیوں پر حملہ کرے اور اس سے تیاری کرنے کو کہا لیکن صلاح الدین نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ مصر کے انتظامات درست کرنے میں مشغول ہے اور اسے خطرہ ہے کہ مصر کے بعض فوجی خودسر ہو کر یہ انتظامات خراب نہ کر دیں۔ نورالدین اس عذر سے مطمئن نہ ہوا کیونکہ اس کی پوری توجہ صلیبیوں سے جنگ کی طرف تھی۔ اس کے باوجود وہ بادل نخواستہ خاموش ہو گیا۔ قریب تھا کہ نورالدین اور صلاح الدین کے باہمی تعلقات خراب ہو جاتے لیکن صلاح الدین کے والد نے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اسے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے امیر نورالدین کی اطاعت کرتا رہے۔ شوال 569ھ میں نورالدین محمود زنگی رحمہ اللہ [3] فوت ہو گیا۔ [4]

نورالدین محمود اپنی زندگی میں اپنے والد کے لگائے ہوئے جہاد کے شجر کو شہداء کے خون اور مجاہدین کے خون پسینے سے سیراب کر چکا تھا۔ مصر کے حالات صلاح الدین کے لیے سازگار کر کے وہ اسلامی جہاد کے لشکر کا ایک نیا علم بردار جرنیل تیار کر چکا تھا۔

---

[1] مفرج الکروب:182/1. [2] الکامل:351/1، و البدایة و النهایة: 260/12، و مفرج الکروب: 183/2، و النجوم الزاهرة:3/6. [3] نورالدین محمود کی سیرت اور کارناموں کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عماد الدین خلیل کی نور الدین محمود: الرجل و التجربة، اور ڈاکٹر حسین مونس کی رائد نصر المسلمین علی الصلیبیین: نورالدین محمود، سیرة مؤمن صادق. [4] سیر أعلام النبلاء: 239/20، و البدایة والنهایة: 277/12، و الکامل:204/11، و المنتظم: 248/10، و مفرج الکروب:258/2.

صلاح الدین ایوبی کے جہادی کارنامے

559ھ میں جب ''اسدالدین شیرکوہ'' نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ آنے والی کُرد افواج میں اس کا بھتیجا صلاح الدین بھی ایک سپاہی کی حیثیت سے شریک تھا، پھر جب 562ھ میں فرنگی صلیبیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو صلاح الدین نے اس موقع پر بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔[1]

صلاح الدین ابھی نوجوان ہی تھا جب اس کے لیے حاکم مصر بننے کے حالات پیدا ہوگئے لیکن شروع میں وہ نورالدین کے دوسرے کمانڈروں کے درمیان کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جب اس کے چچا اسدالدین شیرکوہ کی وفات ہوئی تو ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے والے کمانڈروں میں سے درمیانی حل کے طور پر اسے وزیر منتخب کر لیا گیا، حالانکہ اس کے (سیاسی) مخالفین میں ایسے افراد موجود تھے جو اس عہدے کے حصول کی زیادہ طاقت رکھتے تھے۔ عہدہ سنبھالنے کے بعد اس نے بڑی محنت سے کام کیا اور مصر میں نورالدین کے دوسرے کمانڈروں کے تعاون سے اپنا اقتدار مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے فاطمیوں کی قوت کے مراکز ختم کر دیے جو اس کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے تھے، چنانچہ ملک میں کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہ رہا حتی کہ یہ کیفیت ہوگئی کہ اگر فاطمی خلیفہ عاضد بھی صلاح الدین

---

[1] البداية والنهاية:253/12، والكامل:336/11، والنوادر السلطانية لابن شداد:41.

اسکندریہ (مصر) کا ایک منظر

کی مخالفت کرتا تو اسے کوئی حمایت کرنے والا نہ مل سکتا۔

اس دور میں اسماعیلی مذہب کے علماء اور مبلغین کی تعداد کم ہونے لگی اور وہ نظروں سے اوجھل ہونے لگے کیونکہ اس قسم کی فضا میں ان کا کوئی مقام نہ تھا حتی کہ صلاح الدین نے یہ سوچا کہ اب یہ اعلان ہو جانا چاہیے کہ جمعہ کے خطبے میں فاطمیوں کے لیے دعا بند کر کے عباسی خلفاء کے لیے دعا کی جائے لیکن وہ عوام کے ردِعمل کے خوف سے متذبذب تھا، پھر نور الدین محمود کی طرف سے واضح حکم آ گیا کہ عباسی خلیفہ کے لیے دعا کی جائے اور فاطمی خلیفہ کے لیے دعا بند کر دی جائے۔ اس کا واضح طور پر یہ مطلب تھا کہ فاطمی اسماعیلی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ یہ صورت حال اسماعیلی مذہب کے ماننے والوں اور داعیوں کے لیے ناقابل برداشت تھی، اس لیے بعض ائمہ نے اس حکم کی تعمیل سے خوف محسوس کیا۔ ایک شخص جو ''الامیر العالم'' کے نام سے مشہور تھا، اس نے یہ تذبذب دیکھا تو کہا: اس کام کی ابتدا میں کروں گا۔ محرم 567ھ میں جمعہ کا دن تھا کہ وہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے منبر پر بیٹھ گیا اور خلیفہ ''المستضیٔ بنور اللہ'' کے حق میں دعا کرنے لگا۔ اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اگلے جمعے کو صلاح الدین نے قاہرہ اور پورے مصر میں حکم جاری کر دیا کہ عاضد کے نام کا خطبہ نہ پڑھا جائے بلکہ عباسی خلیفہ المستضیٔ بنور اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ حکم پر عمل ہوا۔ کوئی اختلاف یا اعتراض کرنے والا سامنے نہ آیا، چنانچہ تمام علاقوں میں تحریری حکم بھیج دیا گیا۔ عاضد اس وقت سخت بیمار تھا، اس لیے اس کے گھر والوں نے اسے یہ خبر نہ دی۔ انھوں نے یہ سوچا کہ اگر وہ زندہ رہا تو خود کوئی مناسب فیصلہ کر لے گا ورنہ ہمیں اس کی

زندگی کے آخری چند ایام میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ 567ھ میں عاشوراء کے دن عاضد فوت ہوگیا۔ [1]

اس وقت حالات صلاح الدین کے لیے یوں سازگار ہوتے گئے کہ اچانک عاضد کی وفات ہوگئی اور فاطمی مبلغین کا راستہ بند ہوگیا۔

فاطمی حکومت کے ختم ہونے پر پورے عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جس نے اپنے آخری برسوں میں دوسرے مسلمانوں پر دست درازی کے لیے صلیبی فرنگیوں سے گٹھ جوڑ کو اپنے لیے بہتر سمجھا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی نورالدین محمود کو ہوئی جس نے فوراً قاصدوں کو یہ خوشخبری دے کر بغداد اور دوسرے شہروں کی طرف دوڑا دیا۔ یقیناً یہ اللہ کا خاص فضل تھا۔ اس کے بعد اس میں سب سے زیادہ کردار صلاح الدین کا تھا جس نے بذاتِ خود یہ کام سرانجام دیا۔

ختم ہونے والی فاطمی حکومت کے کچھ سرداروں نے دوبارہ جمع ہونے اور صلیبیوں سے مدد مانگنے کا ارادہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب صلاح الدین ان سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تو وہ مصر پر دوبارہ قبضہ کر لیں گے لیکن صلاح الدین کو ان کی سازش کا پتا چل گیا اور اس نے صلیبیوں کے نام ان کا لکھا ہوا خط پکڑ لیا۔ اس طرح وہ سازش کے سرغنہ افراد کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے شہر قاہرہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب سمجھا اور انھیں سازش کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہ دیا۔ [2]

---

[1] مفرج الکروب:1/200، و البدایة والنهایة:12/264، و الکامل:11/368، و المنتظم:10/237، و النوادر السلطانیة:45، و وفیات الأعیان:7/158. [2] مفرج الکروب:1/244، و النوادر السلطانیة:47، و وفیات الأعیان:7/165، و تاریخ الوطن العربي و الغزو الصلیبي:149.

اس کارروائی کے نتیجے میں مصر میں صلاح الدین کی حکومت کے سوا کوئی حکومت نہ رہی جو کہ رسمی طور پر نورالدین محمود کے ماتحت تھا کیونکہ صلاح الدین کی پوری کوشش تھی کہ وہ نورالدین سے کوئی جھگڑا کھڑا نہ کرے۔ اس معاملے میں اس کے والد کا واضح کردار تھا جس نے ان کے باہمی اختلافات ختم کر کے ان کو ایک مشترکہ فکر دے دی تھی کہ اب وہ مل کر صلیبی حملہ آوروں کو روکیں گے اور اسلامی ممالک کو ان سے پاک کریں گے۔ علاوہ ازیں صلاح الدین ڈرتا تھا کہ نورالدین اسے معزول کر کے کہیں اس کی جگہ کسی اور کو حاکم مقرر نہ کردے۔

اس کی اولیں کوشش یہ تھی کہ مصر کا نظم ونسق درست کیا جائے اور دوسو سالہ باطنی فاطمی حکومت کے خاتمے کے بعد اس ملک کو صحیح اسلامی صف میں شامل کرلیا جائے۔ اس نے بکثرت عطیات دے کر لوگوں کے دل جیت لیے، پھر اپنی حکومت کی ابتدا ہی میں اہلِ سنت کے مدارس کھولنے کی اجازت دے دی۔ سب سے پہلا مدرسہ جس کی بنیاد (566ھ) میں اس نے خود رکھی، مدرسہ شافعیہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک شافعی عالم کو قاضی مقرر کیا۔ اس سے پہلے یہ منصب اسماعیلیوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہ نیک سنی علماء کی مجلس میں اکثر حاضر ہوتا تھا اور ہفتے میں تین دن ایک عالم کے حلقۂ درس میں حاضر ہو کر حدیث سنتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اس کے بیٹے بھی اس حلقے میں حاضر ہوں۔ [1]

وہ حق گو شعراء کا کلام بھی سنتا تھا جو اسے ہمیشہ مقبوضہ بیت المقدس کی یاد دلاتے رہتے تھے کہ اسے آزاد کرانا فرض ہے، مثلاً ایک شاعر عمادالدین کاتب نے ایک دن اس کے سامنے قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

فَسِرْ وَافْتَحِ الْقُدْسَ وَاسْفِكْ بِهِ دَمًا مَتٰى تُجْرِهَا تَنَظَّفِ
وَأَهْدِ إِلَى السَّبْتَارِ الْبَتَّارَ وَهُدِّ السُّيُوفَ عَلَى الْأُسْقُفِ
وَخَلِّصْ مِنَ الْكُفْرِ تِلْكَ الْبِلَادَ يُخَلِّصْكَ رَبُّكَ فِي الْمَوْقِفِ

”تو روانہ ہو اور قدس کو فتح کر اور اس میں خون بہا۔ جب تو خون بہائے گا تو وہ پاک صاف ہو جائے گا۔ اور سبتاروں [2] کو کاٹنے والی تلوار (کے وار) کا تحفہ دے اور پادریوں پر تلواریں برسا دے۔ تو اس ملک کو کفر سے نجات دے، اللہ تجھے میدانِ محشر میں نجات دے گا۔“

---

[1] مفرج الكروب: 56/2، و النوادر السلطانية: 7، و سير أعلام النبلاء: 282/21، و وفيات الأعيان: 206/7.

[2] ”نائٹس آف سینٹ جان“ یا ”نائٹس ہاسپٹلرز“ ایک مسیحی تنظیم تھی جس نے 1042ء میں یروشلم (بیت المقدس) میں مسیحی زائرین کی ◂◂

اس لیے اس کا دماغ بیت المقدس ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اس کے دربار کے علماء، شعراء اور ادباء اسے ہمیشہ یہی یاد دلاتے رہتے تھے۔

اس نے جب سے مصر کی حکومت سنبھالی تھی، وہ صلیبیوں سے جہاد کے بارے میں غور وفکر کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سب سے پہلے ان فوجی ٹھکانوں پر حملہ کیا جائے جو ساحل سمندر پر واقع ہیں لیکن اس کے حملہ کرنے سے پہلے صلیبیوں نے پہل کر دی۔ اس کے لیے ضروری ہوگیا کہ اس کے جہاد کی ابتدا ان کے حملے کے جواب سے ہو جو انھوں نے صفر 565 ھ میں ریاستِ بیت المقدس اور بازنطینیوں وغیرہ کی بری اور بحری فوجوں کے ساتھ مل کر دمیاط پر کیا۔ صلاح الدین اور اس کے کمانڈروں نے نور الدین کی بھیجی ہوئی شامی فوجوں سے تعاون کیا، چنانچہ انھوں نے فرنگیوں کے محاصرے کا مقابلہ کیا اور ان پر جوابی حملہ کرتے ہوئے ان کے بہت سے جہاز جلا دیے۔ اس کے علاوہ ان کے فوجی کثیر تعداد میں قتل ہوئے جس کی وجہ سے وہ ہتھیار ڈالنے اور مسلمانوں سے ایسا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئے جس سے انھیں شہر چھوڑنے کے لیے چند دن کی مہلت مل جائے۔ جب وہ شہر چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کے بحری جہاز سمندری طوفان کا نشانہ

◄◄ خدمت کے لیے ایک ہسپتال قائم کیا تھا، اس کی نسبت سے یہ ''ہاسپٹلرز'' کہلائے جنھیں عربوں نے ''اسبتاریہ'' کا نام دیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں ان جنگجوؤں کو بہت شہرت ملی۔ شاعر نے انھی ہاسپٹلرز صلیبیوں کو السّبتار کہا ہے۔ (م ف)

بن گئے اور ان کے اکثر جہاز غرق ہوگئے۔ اس طرح ان کے بہت کم افراد زندہ بچ سکے۔ [1]

اس معرکے سے ثابت ہوگیا کہ مصر اور شام کی فوجوں میں تعاون کا فائدہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صلیبیوں کا یہ حملہ روکنے کے لیے نورالدین اور صلاح الدین ایک دوسرے کے مددگار تھے۔

اس کے بعد صلاح الدین نے اسی سال رملہ، عسقلان اور غزہ پر حملے کیے اور وہاں کے صلیبیوں کو خوف کا شکار کیے رکھا۔ [2]

صلاح الدین کی اولین جہادی کارروائیوں میں سے ایک اس چوکی پر حملہ ہے جو بحیرۂ ایلہ، یعنی خلیج عقبہ کے ایک جزیرے پر قائم تھی۔ صلیبیوں نے یہ چوکی ایلہ کے قریب قائم کی تھی جس سے وہ بحیرۂ احمر میں مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ حاجیوں کے جہازوں کو خطرے میں ڈال سکتے بلکہ غرق کر سکتے تھے۔ صلاح الدین نے قاہرہ میں بحری جہازوں کے الگ الگ ٹکڑے بنوائے، پھر انھیں اونٹوں پر لاد کر ساحل سمندر پر لے گیا اور سمندر میں انھیں جوڑ کر جہاز تیار کر لیے، پھر ان کے ذریعے سے جزیرے میں موجود اس قلعے پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے قلعے کے صلیبیوں کو قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا۔ یہ واقعہ ربیع الآخر 566ھ کا ہے۔ [3]

566ھ سے 569ھ تک کی مدت میں نورالدین نے صلاح الدین کے ساتھ مل کر شام کے صلیبی ٹھکانوں پر مشترکہ حملے کرنے کی کوشش کی لیکن حالات سازگار نہیں تھے کیونکہ نورالدین شام کے مختلف حصوں کو متحد کرنے اور انھیں اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں مشغول تھا جبکہ صلاح الدین اس دوران میں مصر کا نظم ونسق درست کرنے اور حجاز ویمن پر قبضہ کرنے میں مشغول تھا۔ [4] اس لیے صلیبیوں کے خلاف نورالدین اور صلاح الدین کو مشترکہ جہاد کا موقع نہ مل سکا حتی کہ شوال 569ھ میں نورالدین کی وفات ہوگئی اور صلاح الدین ہی صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والا اسلامی لیڈر قرار پایا۔

---

[1] مفرج الكروب: 181/1، و البداية والنهاية: 261/12، و الكامل: 351/11، و تاريخ الحروب الصليبية: 941/2-945. [2] مفرج الكروب: 198/1. [3] الكامل: 365/11، و مفرج الكروب: 199/1. [4] مفرج الكروب: 237/1، و النوادر السلطانية: 46، و وفيات الأعيان: 165/7.

مصر اور شام کے محاذوں کا اتحاد

صلاح الدین، نورالدین محمود کا وفادار تھا اور خود کو اس کا ماتحت اور اس کا مقرر کردہ سردار سمجھتا تھا۔ نورالدین کی وفات کے بعد حالات بدل گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا مقام بھی دوسرے سرداروں کے برابر ہے۔ اگرچہ وہ نورالدین کے بعد انتظامی معاملات کی اہلیت سب سے زیادہ رکھتا تھا لیکن اس کی کوشش تھی کہ دوسرے سرداروں سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو، بالخصوص اس لیے بھی کہ بعض افراد نورالدین کے بیٹے الملک الصالح اسماعیل سے منسلک ہوگئے، حالانکہ وہ ابھی بچہ تھا۔ صلاح الدین ایک مدبر تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ بعض کمانڈر، سردار اور نااہل افراد اپنے ذاتی مفادات کے لیے اس نوجوان کا نام استعمال نہ کریں اور اس طرح جہاد اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ صلاح الدین کے لیے یہ ایک مشکل صورتِ حال تھی۔ شام کے اکثر عوام نورالدین کی وفات سے سخت پریشان تھے اور پیدا ہو جانے والی غیر یقینی صورتِ حال سے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ شام کے صلیبی اس صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گے۔ علاوہ ازیں کوئی نیا تنازع بھی پیدا ہوسکتا ہے، چنانچہ علماء کی خواہش تھی کہ اختیارات کسی اور کے بجائے صلاح الدین کے ہاتھ میں ہوں کیونکہ وہ دشمنوں کے خلاف اس کے جہاد سے باخبر تھے۔ اس کے باوجود دمشق اور حلب کے کمانڈر اس پر راضی نہ تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ صلاح الدین کو حکومت کے منصب سے دور رکھا جائے تاکہ وہ صالح اسماعیل کے نام سے خود براہِ راست حکومت کر سکیں بلکہ اس کا نام لے کر وہ صلاح الدین کو قابو میں رکھنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ صالح ہی اپنے والد کا جانشین ہے۔ اختلاف ختم کرنے کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے علاقے میں جمعہ کے خطبے میں صالح اسماعیل کا نام لیا جائے گا۔ اس طرح اس نے وفاداری اور اتحاد کا مظاہرہ کیا لیکن اس کی کوشش یہی تھی کہ صالح اسماعیل کے معاملات اس کے ہاتھ میں ہوں اور ناجائز فائدہ اٹھانے والے وہ لوگ اس سے دور رہیں جو ہمیشہ اختلاف اور تفرقے کا باعث بنتے رہے تھے۔ ان میں سے بعض سرداروں نے بے فکر ہو کر صلاح الدین کا مقابلہ کرنے کے لیے صلیبیوں سے جنگ بندی کر لی تھی۔ علاوہ ازیں انھوں نے اسماعیلیوں سے بھی تعاون کیا تاکہ متحد ہو کر اس کا مقابلہ کر سکیں۔ فرنگیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض ٹھکانوں پر حملہ کیا جن میں ''بانیاس'' بھی شامل تھا۔ انھوں نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 7/2، و الکامل: 408/11.

صلیبی قلعہ الکرک (اُردن) کے قریب مسجد

ان تمام مشکلات کے باوجود صلاح الدین فرنگیوں کے خوف سے شام کے ملک میں مسلمانوں میں اتحاد قائم رکھنے کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتا رہا۔ وہ کبھی سیاسی داؤ پیچ سے کام لیتا، کبھی مال خرچ کرتا، کبھی سزا دیتا، یعنی وہ نرمی اور سختی دونوں سے کام لیتا تھا۔ اسے بہت سے شہر اپنے مخالف ان کمانڈروں کے قبضے میں چھوڑنا پڑے جنھوں نے اس کی اطاعت قبول نہیں کی تھی تاکہ اس کے لشکر کی صفیں منتشر نہ ہو جائیں۔ نورالدین کی وفات کے بعد وہ دس سال سے زیادہ عرصے تک اس معاملے کو سنبھالتا رہا۔[1] اس کے باوجود اس نے اس مدت میں صلیبیوں سے مقابلہ کرنا بند نہیں کیا بلکہ ان سے ایک طویل جہاد کیا۔

جہاد کی تیاری

صلاح الدین جب نورالدین کی فوج کا ایک سپاہی تھا، تب وہ بھی جہاد کے لیے تیاری کی اہمیت کو خوب سمجھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ فوجی تجربہ کاری کے ساتھ ساتھ علماء سے مسلسل تعلق قائم رکھنے کی وجہ سے

---

1 حلب، جو شام کے اہم شہروں میں سے تھا اور شام میں جہاد کی ایک چھاؤنی تھا، صلاح الدین کو اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں اور صالح اسماعیل کی وفات کے بعد کئی کمانڈروں سے مقابلہ کرنا پڑا حتی کہ صفر 579ھ میں اس شہر کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔ (سیر أعلام النبلاء:285/21، و الکامل:405/11، 208، و مفرج الکروب:2/2-4)

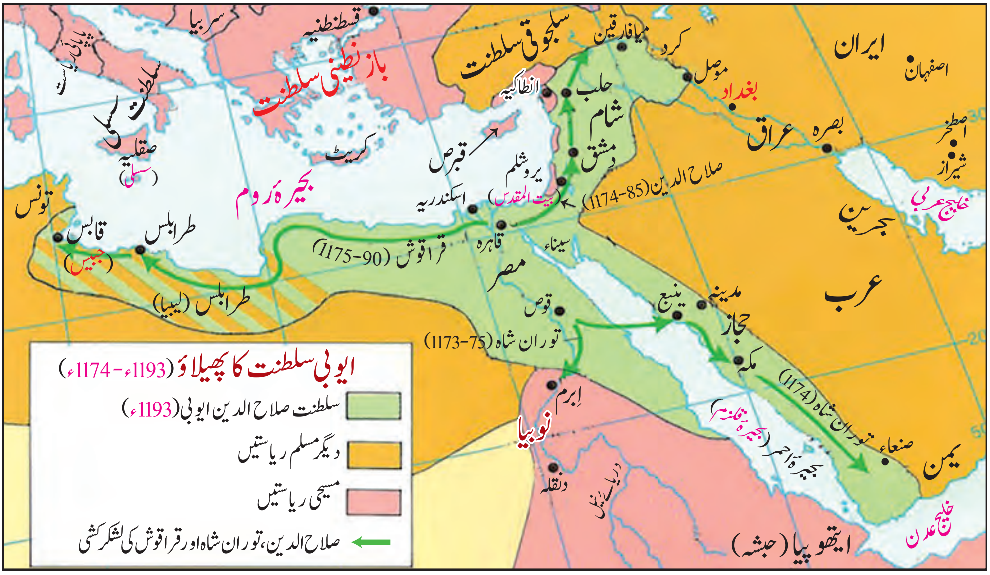

وہ ذہنی طور پر اس بارے میں یکسو ہو چکا تھا، پھر جب نورالدین کی وفات کے بعد ذمہ داری براہِ راست اس پر آ گئی اور وہ مالی نظم کی صلاحیت بھی رکھتا تھا تو اس نے اس سلسلے میں اخراجات پر پوری توجہ دی۔ اس نے فوج کی تیاری اور اسے ضروری سامان کی فراہمی کو اپنا سب سے اہم مسئلہ بنا لیا۔ اسے اسلامی فوجی قوت تیار کرنے کی شدید خواہش تھی، چنانچہ اس نے قابل اعتماد قائدین کی ایک جماعت تیار کی جن پر وہ مختلف معاملات میں اعتماد کر سکتا تھا۔ اس نے انھیں اتنی رقم اور تنخواہیں دیں کہ وہ اس کے ساتھ کام کرنے میں آسانی محسوس کرنے لگے۔ اس کے علاوہ اس نے صلیبیوں سے مسلمان قیدی چھڑانے پر بہت توجہ دی، خواہ وہ اس کے ساتھیوں میں سے نہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے اس نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ اس وجہ سے بہت سے افراد دوبارہ جہاد میں شریک ہو گئے۔

چونکہ لوگ صلاح الدین سے محبت رکھتے تھے، اس لیے بہت سے علماء اور رضا کار بھی اس کے ساتھ آ ملے تھے جو اس کی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کرنا پسند کرتے تھے۔ یہ رضا کار مجاہدین باقاعدہ فوجیوں سے زیادہ شوقِ شہادت اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہوتے تھے۔

سلطان صلاح الدین اور اس کی افواج کو اسماعیلی حشاشین کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ انھوں نے صلاح الدین کے متعدد مجاہدین اور کمانڈروں کو شہید کر دیا۔ انھوں نے خود سلطان صلاح الدین کو شہید کرنے کی متعدد کوششیں کیں اور ایک بار تو وہ کامیابی کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ اس طرح ہوا کہ

ان میں سے پانچ افراد سلطان صلاح الدین کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ان میں ایک شخص نے حملہ کیا اور بعض افراد کو قتل کیا اور خود بھی قتل ہوگیا، پھر دوسرے نے، پھر تیسرے نے حملہ کیا۔ ہر ایک نے سلطان کو شہید کرنے کی کوشش کی اور اس پر وار کیے لیکن سلطان نے ایک خاص قسم کا حفاظتی لباس پہن رکھا تھا جس کی وجہ سے ان کے ہتھیار کارگر نہ ہوئے، چنانچہ اس نے ان کا زور توڑنے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی بعض اقدامات کیے۔ [1]

اس کے علاوہ اس نے ارمنوں کا قلع قمع کیا جو اپنے پڑوس کے مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے۔ صلاح الدین نے ان کے علاقے پر حملہ کر کے انھیں سزا دی اور انھیں مسلمانوں کا احترام کرنے پر مجبور کیا اور ان سے مسلمان قیدی چھڑا لیے۔ [2]

اس نے اپنے دور کے مختلف ہتھیاروں پر توجہ دی۔ وہ اسلحہ جمع کرتا تھا اور اسے تیار کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ وہ اس سلسلے میں بڑی بھاری رقمیں خرچ کرتا تھا۔ اس نے منجنیقیں، دبابات اور محاصرے میں کام آنے والی مختلف چیزیں تیار کرنے پر خاص توجہ دی۔ [3]

اس نے بری اور بحری فوجی اڈوں پر توجہ دی اور اس مقصد کے لیے بہت رقم خرچ کی۔ اس نے ملک کے دارالحکومت قاہرہ کو محفوظ کرنے پر خاص توجہ دی اور اس مقصد کے لیے مال خرچ کیا۔ اس نے وہاں ایسی فصیلیں اور ایسے قلعے تعمیر کیے جن کی اس سے پہلے مثال نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ شام میں بھی دشمن کے مقابل متعدد قلعے تعمیر کیے۔ [4]

علاوہ ازیں وہ صلیبیوں کے فوجی اڈوں کو ختم کرنے میں لگا رہا جو مسلمانوں کے قلعوں کے درمیان حائل تھے اور ان کے فوجی ٹھکانوں اور تجارتی راستوں کے لیے خطرے کا باعث تھے۔ صلاح الدین نے مختلف میدانوں میں ایک متحدہ اسلامی قوت بنانے کی کوشش کی۔ وہ ہمیشہ دشمن کی قوت کو توڑنے کے لیے ان کے فوجی ٹھکانوں پر یکے بعد دیگرے حملے کرتا رہا۔ صلیبی جو بھی چھوٹے بڑے قلعے تعمیر کرتے، وہ موقع ملتے ہی انھیں توڑ پھوڑ دیتا۔ صلیبیوں نے دمشق کے قریب ''بیت الاحزان'' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جسے

---

[1] مفرج الكروب: 47/2، و الكامل: 430/11، و البداية والنهاية: 293/12. [2] مفرج الكروب: 99/2، و الروضتين في أخبار الدولتين: 16/2، و الكامل: 466/11، و البداية والنهاية: 305/12. [3] مفرج الكروب: 44/2، و النوادر السلطانية: 26، و سير أعلام النبلاء: 181/21. [4] مفرج الكروب: 84/2، و وفيات الأعيان: 186/7.

اس نے مسمار کر دیا۔ وہ فرنگیوں کو قلعے سے دست بردار ہونے کو کہتا۔ اگر وہ نہ مانتے تو ان کے خلاف قوت استعمال کرتا۔ سلطان نے دمشق کے قریب صلیبیوں کے تعمیر کردہ قلعے ''بیت الاحزان'' کے متعلق بھی یہی طریق کار اختیار کیا جو اس کے لیے ہمیشہ خطرہ بنا رہتا تھا۔ اس نے انھیں قلعہ چھوڑنے کے عوض تقریباً ایک لاکھ دینار تک کی پیشکش کر دی۔ جب انھوں نے انکار کیا تو اس نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر کار اسے فتح کر کے اس کے صلیبی کمانڈروں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے قیدیوں کو اپنے ساتھ رکھا تا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا ایک ایک پتھر منہدم ہوتا دیکھ لیں۔ مسلمانوں کو صرف ایک قلعے سے تقریباً ایک لاکھ دینار غنیمت کے طور پر ملے جو دشمن کا مقابلہ کرنے میں کام آئے۔ تب انھیں افسوس ہوا کہ انھوں نے اس کے عوض مسلمانوں سے رقم کیوں نہ لے لی۔ [1]

اسی دوران میں وہ جن فوجی ٹھکانوں پر قبضہ نہیں کر سکا تھا، ان پر دباؤ بڑھاتا گیا تا کہ انھیں باہر سے امداد نہ مل سکے اور ان کے لیے مخصوص کی ہوئی زرعی پیداوار ان تک نہ پہنچ سکے۔ [2]

---

[1] مفرج الکروب:81,80/2، و الکامل:456/11، و البدایة والنهایة:203/12. [2] مفرج الکروب:75/2، 186، و الکامل:527/11، و البدایة والنهایة:320/12.

وہ بعض صلیبیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیتا تھا تاکہ ان کی قوت تقسیم ہو جائے، وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے۔ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ اس طرح جب وہ ان کے ایک گروہ سے جنگ کر رہا ہوتا تھا تو دوسرا گروہ غیر جانبدار رہتا۔ بعض اوقات وہ انھیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ صلیبی اکثر اوقات ان معاہدوں پر قائم نہیں رہتے تھے اور وہ عہد شکنی کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ [1]

بحری جہاد

سلطان صلاح الدین جس وقت مسلمانوں کی بری افواج تیار کر رہا تھا اور ان کے لیے ضروری ساز و سامان کا انتظام کر رہا تھا، اس وقت اس نے بحری افواج، بحری بیڑوں اور سمندری جہادی مراکز کو بھی فراموش نہیں کیا کیونکہ اس جنگ میں ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے چونکہ صلیبیوں کے لیے خشکی کے راستے مشکل بنا دیے تھے، اس لیے صلیبی بحری بیڑے یورپ سے بڑی تعداد میں افرادی قوت، اشیائے خوردنی، اسلحہ اور ضرورت کی دوسری اشیاء فرنگیوں کے لیے لا رہے تھے، اس لیے صلاح الدین نے بحری جہاز بنانے پر توجہ دی۔ اس نے ایسے بحری جہاز بھی بنائے جنھیں خشکی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکے۔ انھیں الگ الگ ٹکڑوں کی صورت میں اونٹوں پر لاد کر مطلوبہ مقامات تک لے جایا جاتا تھا اور وہاں انھیں جوڑ کر بحری جنگی جہاز تیار کر لیے جاتے تھے۔ [2]

صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کے بحری بیڑے بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم میں چکر کاٹتے رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے بحری جہازوں کی حفاظت کریں اور دشمن کی نقل و حرکت محدود کر دیں۔

صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کا رومیوں سے سمندروں میں آمنا سامنا ہوتا رہا، بالخصوص مصر اور شام کے ساحلوں پر ان سے ٹکراؤ ہوا۔

ذوالحجہ 569ھ کے آخر میں فرنگیوں کے مشترکہ بحری بیڑے نے سسلی کے جہازوں کی قیادت میں ڈھائی سو جہازوں کی فوج لے کر اسکندریہ پر حملہ کیا۔ انھوں نے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ گھوڑ سواروں اور تیس ہزار کے قریب پیدل فوج کو ساحل پر اتارا اور اسکندریہ کی بندرگاہ میں اسلامی بیڑے پر قبضہ کرنے کی

[1] مفرج الکروب: 113/2، 186،185، و الکامل: 526/11، و البدایة والنهایة: 319/12. [2] مفرج الکروب: 77/2، 127، 131، و الروضتین في أخبار الدولتین: 37،36/2، و الکامل: 490/11، و البدایة و النهایة: 311/12.

جنگ حطین (1187ء) کا ایک منظر جس کی عکاسی ایک فرانسیسی مصور نے 1490ء کے لگ بھگ کی

کوشش کی۔ مسلمان جن جہازوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، انھیں خود بے کار کر دیا تاکہ ان سے دشمن فائدہ نہ اٹھائیں۔ فرنگیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا اور اس پر منجنیقوں سے حملہ کر دیا۔ انھوں نے دبابات کے ذریعے سے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اسکندریہ کے مجاہدین نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پہلے دن ہی ان کے سات سو افراد قتل کر دیے۔ محاصرے کے تیسرے دن اسکندریہ کے باشندے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلے اور دشمنوں کے برجوں، دبابات اور محاصرے کے دیگر سامان کو آگ لگا دی۔ انھوں نے بہت بہادری سے فرنگیوں سے جنگ کی اور ان کے کچھ جہاز غرق کر دیے، کچھ پر قبضہ کر لیا۔ ان کی فوج شکست کھا گئی۔ ان میں سے صرف وہ تھوڑے سے لوگ بچ سکے جو اپنے خیمے، سامان

اور ہتھیار چھوڑ کر جہازوں میں سوار ہو کر بھاگ گئے۔ [1]

صلاح الدین کا بحری بیڑا مسلسل بحیرۂ روم میں گھومتا رہتا تھا تا کہ یورپ کا رابطہ شامی فرنگیوں سے توڑ دے جو صلیبی ممالک کو مسلسل افرادی قوت، اسلحہ اور سامان فراہم کرتے رہتے تھے، چنانچہ 574ھ میں اس بحری بیڑے نے چند صلیبی جہاز قابو کر لیے جن پر تقریباً ایک ہزار جنگجو سوار تھے۔ [2]

578ھ میں صلیبیوں نے بحیرۂ قلزم کے راستے مدینہ منورہ تک پہنچنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے جب خلیج عقبہ کے جزیرۂ اَیلہ میں فوجی قوت تیار کی تھی، تبھی سے ان کا ایک مقصد اور ہدف یہ بھی تھا لیکن مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ تب فرنگیوں نے چند جہاز تیار کر کے بحیرۂ قلزم میں بھیج دیے اور وہ مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کا راستہ روکنے لگے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حاجیوں کو لے جانے والے کچھ جہازوں پر حملہ کر کے انھیں غرق کر دیا اور سمندری راستے سے حجاز آنے والوں کو قتل کرنے اور لوٹنے لگے۔ ان حرکتوں پر صلاح الدین کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اپنے کچھ جہاز بھیجے جنھوں نے انھیں مسلمانوں کو تنگ کرنے سے روکا اور ان کی نقل و حرکت میں رکاوٹ پیدا کی، چنانچہ وہ سوڈان کے ساحلی شہر عیذاب کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے خشکی کے راستے ان کا تعاقب کیا اور انھیں گرفتار کر لیا۔ صلاح الدین نے ان میں سے چند افراد کے بارے میں حکم دیا کہ انھیں حج کے ایام میں وہاں لے جایا جائے اور جب مسلمان جانوروں کی قربانی دے رہے ہوں، تو ان مجرموں کو بھی ان جانوروں کے ساتھ ذبح کر دیا جائے۔ [3]

اس کا مقصد ان صلیبیوں کو تنبیہ کرنا تھا جو حاجیوں کو تنگ کرنے یا حجاز تک پہنچنے کا سوچ رہے تھے۔

اسی سال 578ھ میں اسلامی بحری بیڑے نے بحر ابیض (بحیرۂ روم) میں صلیبیوں کے کچھ جزیروں پر حملہ کیا اور ''عکا'' جانے والے کچھ جہاز پکڑ لیے۔ ان پر لکڑی، جہاز بنانے والے بڑھئی اور جہاز سازی کا سامان لدا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر کے ان سے فائدہ اٹھایا اور دشمنوں کو ان سے محروم کر دیا۔ [4]

اسی طرح 579ھ میں مسلمانوں نے کچھ صلیبی جہاز روکے جو یورپ سے فوجی اور اسلحہ لے کر شام کے ساحلوں پر صلیبیوں کی طرف جا رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان میں سے ایک بڑا جہاز غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ اس میں تین سو سے زیادہ جنگجو تھے جو اسلحہ اور دیگر سامان سمیت گرفتار ہو گئے۔ [5]

---

[1] مفرج الكروب:16/2، و الكامل:412/11، و البداية والنهاية:287/12. [2] مفرج الكروب:77/2. [3] مفرج الكروب:128/2، و الكامل:190/11، و الروضتين:37/2، و البداية والنهاية:311/12، و السلوك:103/1، نیز منتخب پروفیسروں کی تصنیف تاريخ البحرية المصرية:569. [4] مفرج الكروب:131/2، و الكامل:495/11، و السلوك:103/1. [5] مفرج الكروب:139/2، و السلوك:104/1.

بری جہاد

صلیبیوں نے جو ریاستیں قائم کی تھیں، وہ زیادہ تر شام کے اسلامی علاقے میں واقع تھیں، اس لیے مسلمانوں اور صلیبیوں کی جنگیں بھی زیادہ تر خشکی پر ہوئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تصادم میں سمندر کی بھی ایک اہمیت تھی، جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا اصل مقصود بیت المقدس کی آزادی تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ صلیبیوں کے قبضے میں رہا تو وہ دوسرے مقامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور یہ سلسلہ سرزمین حجاز تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر انھیں یہاں سے بھگا دیا جائے تو وہ شام کے دوسرے مقامات سے مایوس ہو جائیں گے، چنانچہ اس نے خود بھی اور دوسرے کمانڈروں کے ذریعے سے بھی ان دشمنوں سے کئی بری معرکے لڑے جن کا مقصد بیت المقدس کی فتح کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا۔ اس کا جہاد دشمن کے جنگی مراکز پر حملے کر کے پیش قدمی پر بھی مشتمل تھا اور دفاعی نوعیت کا بھی تھا۔ صلیبیوں سے صلاح الدین کے ابتدائی دور کے معرکوں میں 569ھ کا وہ معرکہ بھی ہے جس نے بانیاس پر ان کے حملے کا مقابلہ کرنے میں مدد دی۔ [1]

---

[1] الکامل: 408/11، و مفرج الکروب: 7/2.

قلعہ صلاح الدین (طابہ، مصر)

570ھ میں اس نے پوری تیاری کے ساتھ شام کے صلیبیوں پر حملہ کیا اور مرج الصفر کے قریب پہنچ گیا۔ تب صلیبی حاضر ہوئے اور اس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے انھوں نے بعض مسلمان قیدی رہا کر دیے، چنانچہ اس نے بھی جنگ بندی کر دی۔ [1]

شوال 571ھ میں حلب کے بعض مسلمان سرداروں نے انطاکیہ کے حکمران ''پرنس'' سے تعاون کر کے صلاح الدین اور اس کے ساتھی مجاہدین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے شکست نہ دے سکے، حالانکہ اس کی فوجیں کچھ کمزور تھیں۔ [2]

مسلمانوں کو فرنگیوں سے مقابلے میں کئی بار شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ صلاح الدین نے جمادی الاولیٰ 573ھ میں فلسطین میں رملہ کے قریب دشمن پر حملہ کیا اور بہت سے جنگجو قتل اور گرفتار کیے اور غنیمت حاصل کی۔ اس دوران میں اس نے اپنے لشکر سمیت ایک دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن صلیبیوں نے غیر متوقع طور پر اچانک حملہ کر دیا جس کی قیادت انطاکیہ کا حکمران ''پرنس''

---

[1] مفرج الکروب: 35/2، و الکامل: 418/11. [2] مفرج الکروب: 38/2، و الروضتین: 255/1، و الکامل: 427/11.

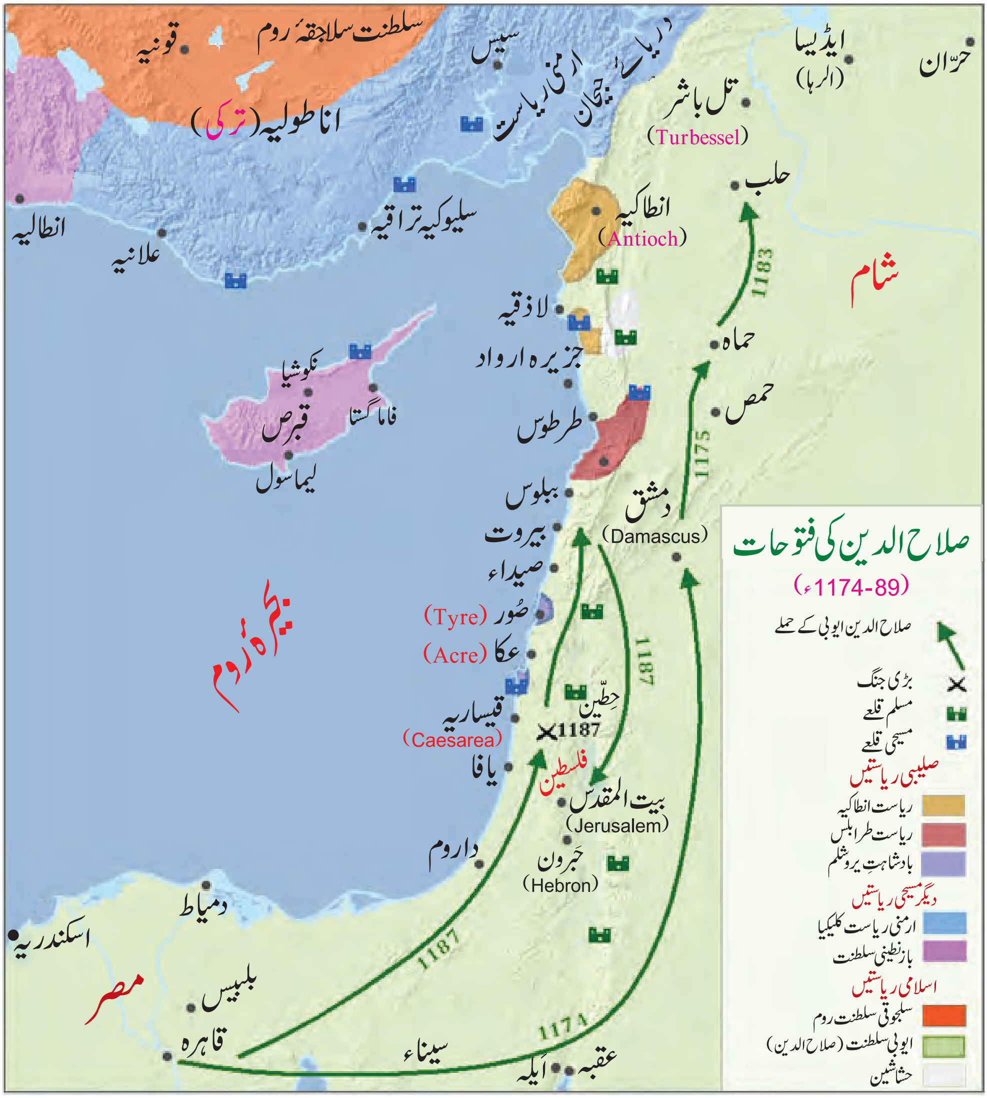

کر رہا تھا۔ مسلمان مقابلہ نہ کر سکے اور شکست خوردہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ فوج کے بہت سے افراد شہید یا قید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں صلاح الدین کے بعض رشتہ دار بھی تھے، اس کے علاوہ بعض علماء اور فقہاء بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ قریب تھا کہ صلاح الدین بھی دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا لیکن رات کا اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ وہ راستہ بھول کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرا اور بہت مشکل سے مصر پہنچا۔ اس اثنا میں وہ اپنے ہمراہی اکثر فوجیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ صلاح الدین پر آنے والی سب سے بڑی مصیبت تھی لیکن اس سے اس کا عزمِ جہاد مزید پختہ ہو گیا، چنانچہ اس واقعے

سے صرف دو مہینے بعد وہ صلیبیوں سے جنگ کے لیے ایک بار پھر شام کی طرف روانہ ہوگیا اور اس طرح اس نے مسلمانوں کے راستے (صلیبیوں کے خطروں سے) محفوظ کر دیے۔ [1]

574ھ میں صلاح الدین دمشق میں تھا جب اسے خبر ملی کہ صلیبی جمع ہو کر مسلمانوں کے جہادی ٹھکانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کی قیادت بیت المقدس کا بادشاہ اور اس کے بعض کمانڈر کر رہے تھے۔ صلاح الدین نے ان سے جنگ کرنے کے لیے اپنا ایک کمانڈر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ انھیں مسلمانوں کے علاقے میں اندر آنے کا موقع دے، یوں وہ واقعی دور تک اندر آ گئے۔ انھوں نے قتل و غارت شروع کر دی۔ وہ مسلمانوں کے کچھ جانور ہانک کر لے جا رہے تھے کہ مسلمان ان پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے اور لشکر کے اکثر حصے کو قتل یا زخمی کر دیا۔ بیت المقدس کا بادشاہ ان کے ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔ اس کے بعض مددگاروں نے جاں فشانی سے اس کا دفاع کیا۔ وہ بہت مشکل سے بچ کر نکل سکا، تاہم اس کا گھوڑا ہلاک ہوگیا۔ اس شکست کی وجہ سے بیت المقدس کی عیسائی سلطنت کے قدم رک گئے اور انھیں صلاح الدین اور اس کے کمانڈروں کے بیدار ہونے کا احساس ہوگیا۔ [2]

577ھ میں کرک کے بادشاہ ارناط نے بہت سی فوجیں جمع کر کے حملے کی تیاری کی۔ وہ چاہتا تھا کہ انھیں تیماء کے قریب لے جائے اور وہاں سے مدینہ منورہ پر حملہ کرے۔ صلاح الدین نے اسے روکنے کے لیے فوراً اپنی فوج بھیج دی جو کرک پہنچ کر ارناط پر حملے کرنے لگی، چنانچہ اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر وہ فوج اسے اس کے مقصود تیماء تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ جب ارناط نے مسلمانوں کی دلیری اور بہادری دیکھی تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ اسے راستہ نہیں دیں گے اور اس کے ملک پر اس وقت تک حملے کرنا بند نہیں کریں گے، جب تک وہ اپنی فوج کو منتشر نہ کر دے، چنانچہ اس نے اپنی فوج کو منتشر کر دیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ [3]

اس کے باوجود صلیبیوں نے 579ھ میں ایک بار پھر تیماء کے قرب و جوار پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ تیماء اور اَیلہ کے درمیان جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور فتح پائی اور دشمن کے جتھے منتشر کر دیے۔ [4]

---

[1] مفرج الكروب: 65/2، و الكامل: 442/11، و الروضتين: 276/1، و البداية والنهاية: 297/2، و النوادر السلطانية: 53 و السلوك: 87,1/1. [2] مفرج الكروب: 71/2، و الروضتين: 6/2، و الكامل: 70/11، و السلوك: 89/1، و البداية والنهاية: 300/12. [3] مفرج الكروب: 101/2، و السلوك: 98/1، و الكامل: 452/11. [4] مفرج الكروب: 140/2، و الكامل: 502,501/11.

قاہرہ میں قلعہ صلاح الدین کے اندر کھجور کے درختوں میں گھری خوبصورت مسجد محمد علی

اس کے علاوہ صلاح الدین نے خود بھی صفوریہ کے قرب و جوار میں صلیبی جتھوں پر حملے کیے۔ فریقین میں جنگیں ہوئیں اور اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ان کا تعاقب کیا اور ان کے بہت سے افراد کو قتل اور بہت کو گرفتار کیا۔ اس نے اسی سال کرک پر ایک بار پھر حملہ کیا حتی کہ اس نے دشمن کو تھکا دیا اور کمزور کر دیا۔ [1]

صلاح الدین نے 580ھ میں کرک پر پھر ایک زور دار اور برق رفتار حملہ کیا۔ اس نے منجنیقیں اور محاصرے کے دوسرے آلات نصب کیے اور شہر کی فصیل میں شگاف کر کے ان سے بعض مسلمان قیدی چھڑا لیے، پھر مسلمانوں نے شہر میں داخل ہونے کی تیاری کرتے ہوئے اس کی (حفاظتی) خندق (مٹی اور پتھروں سے) بھر دی۔ انتھونی برج نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب صلاح الدین نے شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ان

[1] مفرج الكروب: 2/148-150، و تاريخ الحروب الصليبية: 2/1042.

کے سرداروں کے ہاں شادی کی ایک تقریب ہورہی تھی۔ وہ کہتا ہے: ''دلہن کی والدہ نے جو دریائے اُردن کے پار کی وارث تھی، کھانے کی کچھ طشتریاں ذاتی طور پر صلاح الدین کو بھیجیں اور ساتھ یہ پیغام بھیجا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معزز مہمان بھی تشریف لا رہے ہیں تو میں ان کے لیے کوئی خاص چیز تیار کرتی اور اس انداز سے پیش کرتی کہ کوئی اس سے برتر نہ ہو سکے۔'' صلاح الدین بہت فراست اور ذہانت کا مالک تھا۔ اس نے معلوم کر لیا کہ دولہا اور دلہن قلعے کے کس حصے میں قیام پذیر ہیں اور حکم دے دیا کہ اس حصے پر گولہ باری نہ کی جائے جبکہ قلعے کے دوسرے حصوں پر بڑے بڑے بھاری پتھر پھینکے جا رہے تھے۔''[1]

صلیبیوں کو کرک کے بارے میں بہت پریشانی ہوئی، چنانچہ اسے چھڑانے کے لیے بیت المقدس کے حکمران بالڈون کی قیادت میں ہر طرف سے فوجیں جمع ہوگئیں۔ صلاح الدین کرک کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہوگیا تاکہ آنے والے عیسائی لشکروں کا مقابلہ کرے۔ لیکن انھوں نے حیلے سے کام لیا اور اپنے ایک فوجی اڈے میں پہنچ گئے اور مسلمانوں سے ان کا سامنا نہ ہوا۔ بعد میں وہ کرک پہنچ کر اس میں داخل ہو گئے اور اس کے دفاعی انتظامات مضبوط کر لیے، تب صلاح الدین مایوس ہو کر واپس آ گیا۔[2]

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیۃ:191 . [2] مفرج الکروب:158/2، و الکامل:506/11، و البدایۃ والنہایۃ:314/12، و السلوك:108/1، و تاریخ الحروب الصلیبیۃ:1070/12 .

الکرک (اُردن) میں صلیبی قلعے کے آثار

کرک سے واپسی کے دوران میں صلاح الدین نے متعدد صلیبی ٹھکانوں اور شہروں پر حملہ کیا جن میں اہم ترین نابلس تھا۔ اس طرح اس نے ان علاقوں میں موجود بہت سے مسلمان قیدی آزاد کرا لیے۔

بیت المقدس کی فتح کے لیے ابتدائی اقدامات

کرک وغیرہ کو فتح کرنے کی اس کوشش کے بعد صلاح الدین نے کچھ وقت تک اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی طرف توجہ مبذول رکھی اور شام، الجزیرہ اور دیگر علاقوں میں نئے خطے فتح کرنے لگا۔ اس توسیع سے صلاح الدین کی صفوں میں مزید فوج کا اضافہ ہوا جس سے فطری طور پر دشمن خوفزدہ اور مرعوب ہوئے اور بیت المقدس وغیرہ میں ان کا انجام قریب آ گیا۔ صلیبیوں نے اسلامی ممالک میں صلاح الدین کی توسیع سے خطرہ محسوس کیا۔ ولیم صوری کہتا ہے: ''اس کی پیش قدمی اور کامیابی سے مسیحیوں نے بہت پریشانی محسوس کی۔ وہ اس کی سلطنت کی توسیع کو بہت خوف سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں خطرہ تھا کہ اس کے قدم بہت مضبوط ہو جائیں گے، چنانچہ حالات پر غور کرنے کے لیے اگلے ماہِ شباط (فروری) میں یروشلم میں ملک کے تمام نوابوں کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس کی واپسی سے بہت زیادہ خوف کی فضا بن گئی تھی جیسے کہ ذکر کیا جا چکا ہے، چنانچہ قرار پایا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے جائیں۔'' [1]

صلیبیوں کے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ بیت المقدس کو (مسلمانوں سے) بچایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ صلاح الدین سے اگلے ٹکراؤ کا مرکز بیت المقدس ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ صلاح الدین کا اصل مطلوبہ ہدف یہی ہے۔

582ھ میں صلاح الدین نے صلیبی سرداروں پر دباؤ بڑھا دیا حتی کہ بعض سرداروں نے صلاح الدین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک طرابلس کا کاؤنٹ (نواب) ریمنڈ بھی تھا جس کا بیت المقدس کے بادشاہ سے معاہدہ تھا۔ اس کی وجہ سے وہ صلاح الدین کی خدمت کرنے لگا، یعنی وہ اپنے ہم مذہب عیسائی صلیبیوں کے مراکز پر حملے کرتا تھا تاکہ صلاح الدین کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ [2]

اسی طرح کرک کے حکمران ارناط [3] نے صلاح الدین سے جنگ بندی کر لی۔ نتیجتاً راستوں میں امن ہو گیا، مصر اور شام کے درمیان قافلے کثرت سے آنے جانے لگے اور بے خوف ہو کر سفر کرنے لگے۔ ارناط

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 1054/2. [2] مفرج الکروب: 184/2، و الکامل: 526/11، و السلوك: 117/1، و البدایة والنهایة: 319/12. [3] والیٔ الکرک (اردن) کا نام رینالڈ یا ریجنالڈ تھا جسے عرب ارناط کہتے تھے۔ (م ف)

’’سنہری دروازہ‘‘ مسجد اقصیٰ کا واحد مشرقی دروازہ ہے جو صدیوں سے بند ہے۔ یہ ان دو دروازوں میں سے ایک تھا جن میں سے لوگ مشرق سے شہر بیت المقدس میں داخل ہوتے تھے۔

نے مسلمان تاجروں اور حاجیوں کا ایک بڑا قافلہ دیکھا تو عہد شکنی کے نتائج کی پروا کیے بغیر موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے قافلے کو قابو کر لیا اور اس میں جو تاجر اور فوجی تھے، گرفتار کر لیے۔ صلاح الدین نے پیغام بھیج کر اس کی قبیح حرکت پر سرزنش کی اور گرفتار افراد کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا لیکن وہ اپنے عناد اور نافرمانی پر اَڑ گیا۔ صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ سے کہا کہ معاہدے کی پاسداری کے لیے اس معاملے میں مداخلت کرے کیونکہ وہ بھی اس معاہدے کا ایک فریق تھا لیکن اس نے پروا نہ کی۔ اس پر صلاح الدین نے قسم کھالی کہ اگر ارناط اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ اسے ضرور قتل کر دے گا۔[1]

اس سے پہلے وہ کئی بار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا لیکن ہر دفعہ قیدیوں کے تبادلے میں یا فدیہ دے کر چھوٹ جاتا تھا۔

583ھ کے شروع میں صلاح الدین کی کوشش تھی کہ فتح کا نیا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے لیے واپسی کا راستہ پُرامن رکھا جائے۔ اس وقت وہ شام اور مصر سے اسلامی افواج جمع کر چکا تھا۔ جب صلاح الدین حاجیوں (کی واپسی کے بعد ان) کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو اس نے عین الصفر اور اس کے قرب و جوار میں صلیبیوں کے فوجی ٹھکانوں پر حملے شروع کر دیے اور متعدد

[1] مفرج الکروب:2/186، و الکامل:11/528، و النوادر السلطانیة:78.

خوبصورت قبۃ الصخرہ اور اس کی محرابیں (بیت المقدس)

مقامات پر ان کی افواج کو منتشر کر دیا، پھر اسلامی افواج طبریہ کی طرف روانہ ہوئیں اور ایک ہی دن میں اسے بزور فتح کر لیا، البتہ اس کا قلعہ فتح کرنے میں مسلمانوں کو کچھ وقت لگا۔ [1]

حطین کا معرکہ

مسلمانوں نے صلیبیوں سے جو جنگیں لڑیں، ان میں جنگ حطین کو اہم ترین معرکہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ بیت المقدس کو واپس لینے کے لیے یہ اس سے متصل پہلا اقدام تھا۔

جب مسلمانوں نے طبریہ پر قبضہ کر لیا تو صلیبیوں کو یقین ہوگیا کہ اگلا ہدف بیت المقدس ہے، اس لیے وہ سب متحد ہوگئے اور مختلف عیسائی ممالک سے فوجیں آ کر جمع ہوگئیں حتی کہ جن لوگوں نے صلاح الدین سے صلح کر رکھی تھی، انھوں نے تمام عہد و میثاق بالائے طاق رکھ کر اپنے ہم مذہب لوگوں کا ساتھ دیا۔ داویہ (Templers) اور اسبتاریہ (Hospitaliers) کے شہسوار اکٹھے ہوگئے۔ کرک کا حکمران اور صلاح الدین کا سخت دشمن ارناط بھی شامل ہوگیا اور بیت المقدس کا بادشاہ گائی بھی۔ اس کے علاوہ اس فوج میں بیت المقدس کا لاٹ پادری ہرقل اور عکا کا بشپ بھی شریک ہوئے۔ اس جنگ میں وہ اپنا اہم ترین مذہبی نشان

---

[1] النوادر السلطانية:79، و الكامل:532/11، و البداية والنهاية:322/12، و السلوك:118/1.

”صلیب الصلبوت“ بھی ساتھ لائے تھے۔ یہ اس لکڑی کا حصہ تھا جس پر ان کے عقیدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے۔[1]

صلیب الصلبوت کو باہر لانا اس بات کی علامت تھا کہ یہ فیصلہ کن معرکہ ہے کیونکہ اسے ہر جنگ میں باہر نہیں لایا جاتا تھا۔ صلیبی صفوریہ کے مقام پر جمع ہوئے کیونکہ یہ جگہ دوسرے مقامات کی نسبت زیادہ محفوظ تھی اور وہاں پانی بھی وافر مقدار میں موجود تھا، پھر وہ وہاں سے نکل کر حطین کے مقام پر آ گئے، حالانکہ وہاں پانی کم تھا اور ہموار زمین زیادہ تھی۔ اس مقام پر آنے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں شکست کھانے والے کی قسمت زیادہ خراب ہے کیونکہ کھلی اور میدانی جگہ پر تلوار یا قوت بازو کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ عیسائیوں کے یہاں آ جانے سے صلاح الدین اور مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور انھوں نے اسے نیک فال سمجھا۔ مسلمانوں نے اپنے ہتھیار تیار کیے اور اپنے ترکش تیروں سے بھر لیے۔ فوج کو تیر کثرت سے مہیا کیے گئے تھے۔ مختلف مقامات پر جانوروں پر تیر لاد کر رکھے گئے تھے تاکہ مجاہدین وہاں سے حسب ضرورت لیتے رہیں۔ اس کے علاوہ جہاں دشمن کے آ کر ٹھہرنے کی توقع تھی مسلمانوں نے وہاں کے پانی کے تالاب مٹی سے پُر کر دیے۔

---

[1] الکامل:11/536، و البدایة والنہایة:12/320، و مفرج الکروب:2/189، و الروضتین:2/80.

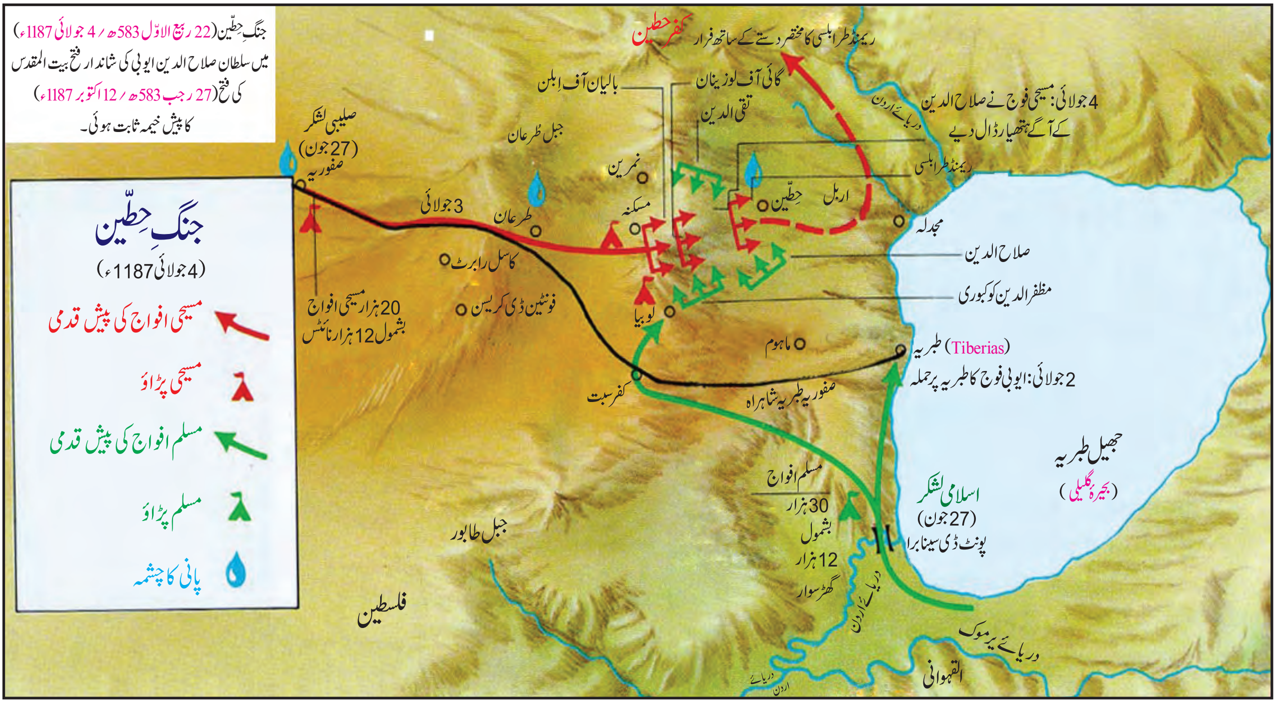

سلطان صلاح الدین اور ان کا بیٹا افضل جنگ حطین میں صلیبیوں پر حملہ کرتے ہوئے

جونہی صلیبی حطین کے قریب ایک ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آئے، مسلمانوں نے فوراً ان پر ہلا بول دیا، چنانچہ انھوں نے جلدی جلدی حفاظتی انتظامات کیے اور رات گزار لی۔ صبح ہوئی تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ پانی سے دور ہیں اور ہر طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں ہیں۔ مسلمانوں سے ان کا پہلا معرکہ 24 ربیع الآخر 583ھ کو جمعے کے دن صبح کے وقت شروع ہوا۔ دن بھر جنگ جاری رہی اور شام کو لڑائی بند ہوگئی۔ ہفتے کے دن 25 ربیع الآخر کو صبح ہوئی تو صلیبیوں کو پانی کی قلت درپیش تھی۔ انھیں پیاس نے ستایا۔ اس کے علاوہ گزشتہ دن کے زخمیوں کو بھی پانی کی ضرورت تھی، چنانچہ انھوں نے پانی تک پہنچنے کے لیے دلیرانہ حملے کیے لیکن مسلمان بھی تیار تھے۔ انھوں نے حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا اور بہت سے سپاہیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ باقی ماندہ صلیبی حطین کے پہاڑ کے قریب جمع ہوگئے تاکہ اس کی اوٹ کے ذریعے سے اپنا بچاؤ کریں اور ان کے بعض کمانڈر فرار ہوگئے۔ تب مسلمانوں نے ان کے لشکر کے اردگرد کی جھاڑیوں کو آگ لگا دی۔ [1] وہاں جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں، چنانچہ ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ادھر آگ کی حرارت تھی،

---

[1] مفرج الکروب:190/2، والکامل:335/11، والبدایة والنهایة:320/12.

ادھر دو پہر کی گرمی۔ پیاس بہت تھی اور پانی کم۔ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور صلیبی مسلمانوں کے قابو میں آ گئے۔ ان کے بے شمار سپاہی قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ انھوں نے کئی بار کوشش کی کہ بادشاہ کے اردگرد جمع ہو جائیں۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک خیمہ نصب کیا اور بے جگری سے اس کا اور بادشاہ کا دفاع کیا۔ مسلمانوں نے بھی جم کر لڑائی کی حتی کہ ان کا خیمہ اُکھاڑ دیا اور ان کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے اس صلیب پر بھی قبضہ کر لیا جسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ اس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ بہت سے افراد گرفتار ہوئے۔ ان میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک مسلمان تیس تیس صلیبیوں کو باندھ کر لے جاتا تھا۔ قیدیوں میں کرک کا حکمران ارناط بھی شامل تھا جس نے بار بار عہد شکنی کی تھی، اور بیت المقدس کا بادشاہ گائی آف لوزینان اور اس کا بھائی بھی۔ اس کے علاوہ شہروں کے بہت سے سردار اور نواب بھی گرفتار ہوئے۔ الغرض ہزاروں کی فوج میں سے گنتی کے افراد بچ سکے۔ جب مسلمانوں کا فاتح ہونا واضح ہو گیا تو صلاح الدین زمین پر اترا اور دشمنوں کے خلاف اللہ کی مدد حاصل ہونے پر نمازِ شکرانہ ادا کی۔ مسلمان فتح پر اللہ کا

جنگ حطین (1187ء) کی ایک قدیم تصویر

ساحلی شہر عکّا (فلسطین) میں غروبِ آفتاب کا فضائی منظر
جس میں سبز چھت والی الجزار مسجد، صلیبی محل، فصیل، عرب بازار اور صلیبی سرنگیں نمایاں ہیں

شکر کرتے ہوئے بلند آواز سے شکر اور تکبیر کے الفاظ ادا کر رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ [1]

اس کے بعد قیدیوں کو صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا جن میں سب سے اہم شخصیت بیت المقدس کا بادشاہ ''گائی'' تھا۔ اسے صلاح الدین کے قریب بٹھایا گیا، پھر کرک کا حکمران ارناط پیش کیا گیا جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کرتے ہوئے جنگ بندی کے معاہدے کے دوران میں نہتے مسلمانوں پر ظلم کیا تھا۔ صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ کو تسلی دینا چاہی۔ اس وقت بادشاہ ''گائی آف لوزینان'' کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے عرقِ گلاب ملا ہوا برف والا ٹھنڈا پانی لایا گیا۔ اس نے پانی پیا۔ جب پیاس بجھ گئی تو گائی نے صلاح الدین کی اجازت کے بغیر ارناط کو پانی دے دیا۔ صلاح الدین نے کہا: ''میں نے تجھے اجازت نہیں دی تھی کہ اسے پانی پلائے، لہٰذا یہ ہماری طرف سے امان کا اظہار نہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب صلاح الدین نے بادشاہ کو پانی پلایا تو اسے امان دے دی لیکن عہد شکن ارناط کے لیے کوئی امان نہیں۔ اگرچہ اس نے صلاح الدین کا پانی پیا لیکن وہ اس کے حکم سے یا اس کی اجازت سے نہیں تھا۔ اس کے بعد صلاح الدین نے ارناط کو یاد دلایا کہ اس نے مسلمانوں سے کس طرح دھوکا کیا تھا، اس طرح

---

[1] الكامل: 536/11، و مفرج الكروب: 191/2.

الجزار مسجد (عکّا)

اسے شرمندہ کیا۔ اس نے مسلمانوں سے دھوکا اور عہد شکنی کرتے ہوئے جب انھیں شہید اور گرفتار کیا تھا تو کہا تھا: ''اپنے محمد (ﷺ) سے کہو، تمھیں چھڑا لے۔''

صلاح الدین اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ''میں نے محمد ﷺ کی طرف سے انتقام لے لیا ہے۔'' پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس نے انکار کر دیا۔ تب صلاح الدین نے خود اس پر تلوار کا وار کر کے اسے جہنم رسید کر دیا۔ جب بیت المقدس کے بادشاہ نے ارناط کو قتل ہوتے دیکھا تو سمجھا کہ اب وہ بھی قتل ہونے والا ہے۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ صلاح الدین نے اسے تسلی دی اور فرمایا: ''بادشاہوں کا دستور نہیں کہ بادشاہوں کو قتل کریں، لیکن اس شخص نے حد پار کر لی تھی، اس لیے اسے یہ سزا ملی۔'' پھر باقی قیدیوں کو دمشق بھیج دیا گیا اور مسلمانوں کی فتح کا اعلان کرنے کے لیے انھیں مسلمانوں کے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا۔ راستے میں اس نے تمام اسبتاریہ اور داویہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ مخصوص شہسوار تھے جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے یورپ وغیرہ سے آئے تھے۔[1]

---

[1] البداية والنهاية: 321/12، و الكامل: 537/11، و السلوك: 119/1، و مفرج الكروب: 2/188-197، و تاريخ الحروب الصليبية: 171.

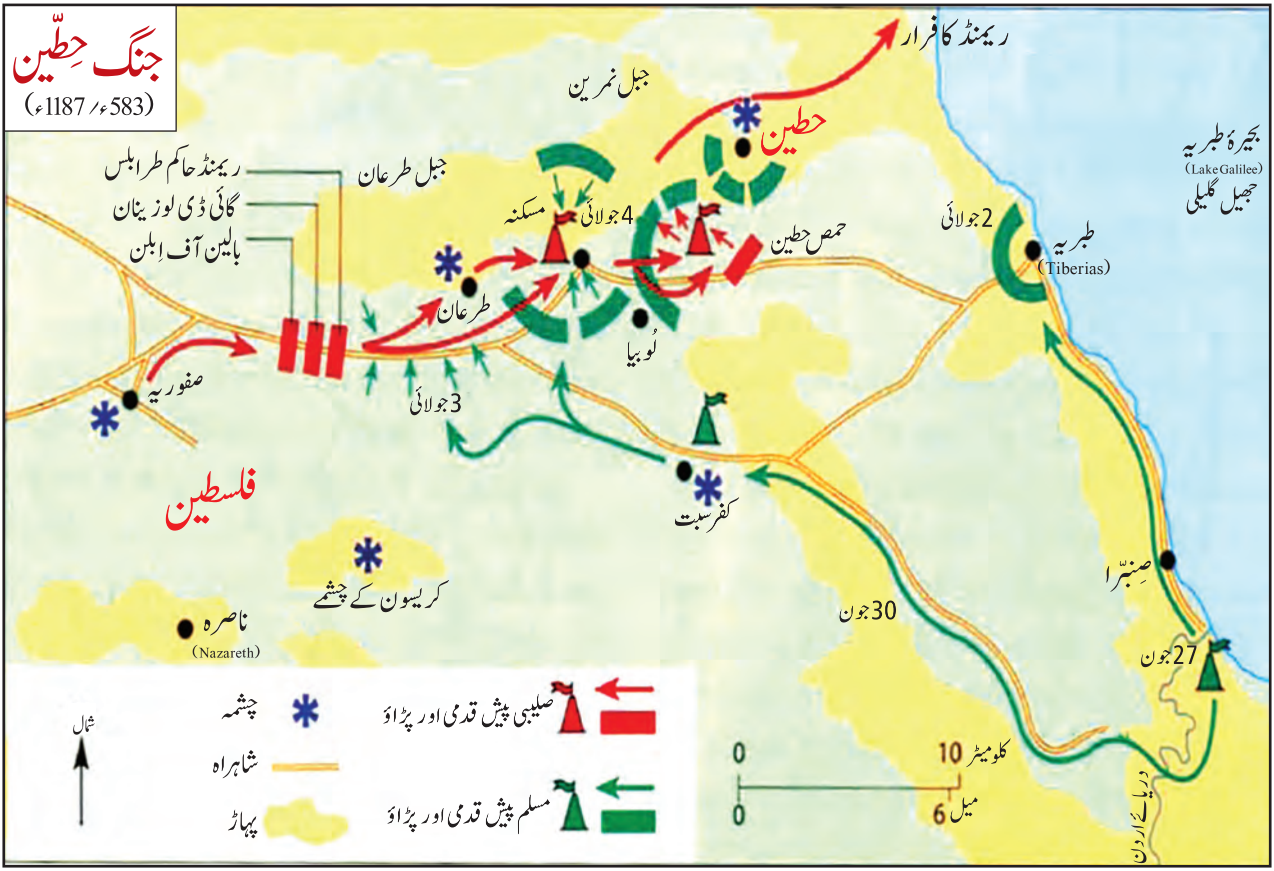

صلیبیوں پر پڑنے والی یہ ضرب ایسی تھی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ انتھونی برج کہتا ہے: ''حطین کی جنگ ایک ایسا سانحہ تھا کہ صلیبی ممالک میں مسیحیوں کے لیے اس کی کوئی مثال نہیں۔ ان کے لشکر نے شکست کھائی، جنگجو مردوں میں سے صرف وہ بچ سکے جو منتشر ہوکر پناہ گاہوں میں یا شہروں اور قلعوں میں چلے گئے۔ صلاح الدین نے ہر فرصت کے وقت ان کے باقی ماندہ افراد سے ملک کو پاک کرنا شروع کر دیا جیسے وہ بے چرواہا ریوڑ ہوں۔ اس کارروائی کے دوران میں اتنی کثیر تعداد میں صلیبی گرفتار ہوئے کہ اسلامی دنیا میں غلاموں کی منڈیوں میں ان کا سیلاب آ گیا۔ ان کی قیمتیں انتہائی حد تک گر گئیں حتی کہ ایک شخص نے ایک عیسائی کو ایک جوڑا جوتوں کے بدلے خرید لیا۔'' [1]

اس بیان میں یقیناً مبالغہ ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حطین کے معرکے کے بعد صلیبیوں کی

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية:2/197، و البداية والنهاية:12/321.

نفسیاتی حالت کیا ہوگئی تھی۔ اگرچہ صلاح الدین نے انھیں بری طرح شکست دی تھی، پھر بھی صلیبی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ انتھونی برج کہتا ہے: ''مسلمانوں میں کئی صدیوں سے ناجائز چھینا جھپٹی، تکبر، جھوٹ، بری حکمرانی اور اس طرح کے دیگر جرائم ایسی خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں جنھوں نے مصر میں فاطمی سلطنت کو تباہ کر دیا لیکن اب انھیں ایک ایسا لیڈر مل گیا تھا جس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ مکمل طور پر قابل اعتماد ہے۔ اس شخص کے بارے میں معروف تھا کہ اس نے نہ کسی دوست سے کیا ہوا وعدہ توڑا ہے، نہ کسی دشمن سے۔ یہ چیز اس زمانے کے معیار کے مطابق غیر معمولی اور ناقابل یقین تھی، اس لیے اس کو اس کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ساتھ اس کے دشمن مسیحیوں کی طرف سے بھی بے پناہ احترام ملا۔''[1]

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 198.

جنگ حطین میں شکست خوردہ صلیبی بادشاہ گائی ڈی لوزیناں سلطان صلاح الدین کے دربار میں۔
جنگ حطین اور بیت المقدس کی فتح کے بعد تیسری صلیبی جنگ (1189ء تا 1192ء) چھڑی۔

مجاہدین بیت المقدس کی فصیل پر صلیبیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

بیت المقدس کی فتح

حطین کی جنگ کے فوراً بعد صلاح الدین کے لیے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا کیونکہ وہاں کا بادشاہ اور اس کی اکثر فوج اس کے قیدی بن چکے تھے۔ دوسری صلیبی ریاستیں حطین کی جنگ میں بیت المقدس کی عیسائی افواج کی شکست پر دم بخود تھیں، تاہم صلاح الدین نے براہ راست بیت المقدس کا رخ نہیں کیا بلکہ پہلے دیگر علاقوں میں کچھ فوجی اقدامات کو ضروری سمجھا۔ اس نے بیت المقدس کے قریب بعض مقامات پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد کی، چنانچہ وہ 26 ربیع الآخر اتوار کو، یعنی حطین کی جنگ سے ایک دن بعد طبریہ کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے والوں نے ہتھیار ڈال دیے تو مسلمانوں نے انھیں امان دے دی اور انھیں طرابلس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ [1]

طبریہ (فلسطین) میں الامیری مسجد

اس سے چار دن بعد صلاح الدین عکا کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ وہ اچانک محاصرے سے حیران رہ گئے۔ ان میں اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں تھی، چنانچہ وہ باہر نکل کر صلاح الدین کے پاس آئے اور بڑی عاجزی سے امان کے طالب ہوئے۔ اس نے انھیں امان دے دی اور اختیار دیا کہ چاہیں تو اس کے محکوم بن کر رہیں اور چاہیں تو کوچ کر جائیں۔ انھوں نے اس شرط کے ساتھ شہر چھوڑ جانا قبول کیا کہ جو مال وہ اپنے ساتھ لے جاسکیں، لے جائیں گے، چنانچہ وہ مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ [2]

مسلمانوں نے جنگِ حطین سے فارغ ہونے کے بعد پہلا جمعہ عکا کے ایک گرجے کو مسجد میں تبدیل کر کے اس میں ادا کیا۔ غالباً یہ عمارت پہلے مسجد تھی جسے صلیبیوں نے عکا پر قبضہ کرنے کے بعد گرجے میں

---

[1] مفرج الكروب: 195/2، و الكامل: 538/11، و البداية والنهاية: 322/12، و النوادر السلطانية: 79.

[2] مفرج الكروب: 201/2، و الكامل: 539/11، و البداية والنهاية: 322/12، و النوادر السلطانية: 79.

طبریہ میں ظاہر العمر کا تعمیر کردہ جھکا ہوا بُرج

تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمان مسلسل فوجی اڈے اور ان سے منسلک قلعے فتح کرتے رہے اور تقریباً نو یا زیادہ قلعے فتح کیے۔[1]

اس دوران میں صلاح الدین کی کچھ فوجیں نابلس جا پہنچیں۔ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان تھی لیکن اس پر صلیبی قابض تھے۔ مسلمانوں نے اسے صلیبیوں سے چھڑا لیا اور انھیں اس شرط پر امان دی کہ وہ ذمی بن جائیں۔[2]

اسی دوران میں صلاح الدین نے ساحل پر بھی توجہ دی اور اسے صلیبیوں سے پاک کر دیا۔ اس نے تبنین، صیدا اور بیروت کے شہر فتح کیے۔ وہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ مسلمانوں نے ان سے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ ان میں سے جو لوگ جانا چاہتے تھے، انھیں شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی اور باقی افراد کو ذمی قرار دے دیا۔[3]

ان فتوحات میں صلاح الدین نے بہت سے مسلمان آزاد کرائے جو صلیبیوں کی قید میں تھے۔ ان قیدیوں

---

[1] مفرج الكروب:202/2، و الكامل:540,539/2، و البداية والنهاية:322/12، و النوادر السلطانية:79، و مقریزی:120/1. [2] مفرج الكروب: 202/2. [3] مفرج الكروب: 205/2، و الكامل: 541/11، و البداية والنهاية:322/12، و سير أعلام النبلاء:180/21، و السلوك:121/1.

عسقلان میں صلیبی قلعے کے آثار

کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ صلاح الدین نے انھیں لباس مہیا کیا اور انھیں ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ [1]

اس کے بعد صلاح الدین عسقلان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ صلیبیوں کا اہم ترین اور سب سے مضبوط فوجی اڈا تھا۔ یہ مصر اور شام کی شاہراہ پر عسکری لحاظ سے ایک اہم مرکز تھا۔ اس وجہ سے صلاح الدین کو اسے فتح کرنے کی فکر ہوئی۔ اسے فتح کرنے میں مسلمانوں کو مشکل پیش آئی، چنانچہ انھوں نے اس کی طرف پیش قدمی کر کے اس کے اردگرد منجنیقیں نصب کر دیں اور چالیس دن اس کا محاصرہ کیے رہے۔ وہاں کے باشندے ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے لیکن ان کی فوج کم اور کمک قلیل تھی، چنانچہ جمادی الآخرہ کے آخر میں وہ شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضا مند ہوگئے۔ انھوں نے درخواست کی کہ انھیں شہر چھوڑ کر بیت المقدس جانے کی اجازت دی جائے۔ انھیں اجازت دے دی گئی۔ [2]

---

[1] مفرج الکروب:2/204، 205، و الکامل:11/543. [2] مفرج الکروب:2/210، و الکامل:11/545، و البدایة والنهایة:12/322، و السلوك:1/121، و النوادر السلطانية:80.

صیداء (لبنان) میں صلیبی ساحلی قلعے کے آثار

غزہ (فلسطین) میں برج داؤد

عسقلان پر قبضہ ہو جانے سے غزہ کا شہر اور اس کے قریبی قلعے محفوظ ہو گئے، چنانچہ صلاح الدین نے ان اہم ساحلی مقامات کی حفاظت کے لیے مصر سے بحری بیڑا طلب کر لیا۔[1]

جب صلاح الدین کو اطمینان ہو گیا کہ اسلامی بحری بیڑا ساحل پر ہونے والے کسی بھی حملے کا جواب دے سکتا ہے تو وہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں بیت المقدس کے لاٹ پادری اور رملہ کے حکمران کی قیادت میں بچے کھچے صلیبی اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہروں اور قلعوں سے نکل کر آنے والے وہ لوگ جمع ہو چکے تھے جنھیں مسلمانوں نے نکل جانے کی اجازت دی تھی۔ بیت المقدس میں بے شمار عیسائی اس کا دفاع کرنے کے لیے جمع ہو چکے تھے جن کی نظر میں بیت المقدس پر مسلمانوں کو قابض دیکھنے کے بجائے مر جانا زیادہ قابل قبول تھا۔ عیسائیوں کے تمام فرقوں کے نزدیک اس مقام کی جو اہمیت تھی، محتاجِ بیان نہیں۔

---

[1] مفرج الکروب: 210/2، والکامل: 546/11.

عیسائیوں نے صلاح الدین کے ہراول دستوں پر حملہ کرنے کے لیے کمین گاہیں تیار کر لی تھیں اور ان میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا اور ان کے بڑے قائدین میں سے ایک کمانڈر شہید ہوگیا۔ مسلمانوں کو اس سے بہت پریشانی ہوئی۔ [1] لیکن اس کے باوجود بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا ان کا عزم مضبوط تھا۔ مسلمان پندرہ رجب کو اتوار کے دن اس کی مغربی دیواروں تک پہنچ گئے۔ شہر بیت المقدس کا حفاظتی انتظام بہت زبردست تھا۔ اس میں ساٹھ ہزار سے زیادہ جنگجو موجود تھے۔ ان میں سے اکثر دفاع کا تجربہ رکھنے والے افراد تھے۔ [2]

انھوں نے ان قلعوں کے دفاع میں حصہ لیا تھا جنھیں مسلمانوں نے اس سے پہلے فتح کیا تھا۔ صلاح الدین اور اس کی افواج پانچ دن تک شہر کے اردگرد چکر لگاتی رہیں۔ وہ لوگ بازوں کی طرح اس کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔ وہ اس کی خبریں معلوم کرتے اور اس کے دفاعی فوجی مقامات پر نظر رکھے ہوئے تھے تاکہ حملہ کرنے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب کر سکیں۔ مسلمانوں کے متخصص فوجیوں نے شہر کی شمالی جانب سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ 20 رجب جمعے کی صبح ہوئی تو اس طرف منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ ان کے مقابلے میں صلیبیوں نے القدس کی فصیل کے اندر منجنیقیں نصب کر لیں اور مسلمانوں پر سنگ باری کرنے لگے۔ فریقین میں شدید جنگ ہوئی۔ صلیبی سورما روزانہ شہر سے نکلتے اور مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ فریقین میں سخت جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ صلیبی سورما اپنے مذہبی جذبے کی بنا پر بیت المقدس کی حفاظت کے جس قدر خواہش مند تھے، مسلمان اس سے بھی شدید مذہبی جذبے ہی کی بنا پر اسے واپس لینے

---

[1] الکامل: 547/11، و مفرج الکروب: 213/2. [2] و الکامل: 547/11، و مفرج الکروب: 211/2، و البدایة و النهایة: 323/12، و الروضتین: 94/2.

اسلامی فوج کا صلیبیوں پر دھاوا

کے ان سے زیادہ آرزومند تھے۔ مسلمانوں نے جاں فشانی سے جنگ کی۔ وہ بیت المقدس کی دیواروں کے پاس شہادت کا شرف حاصل کرنے کا شوق رکھتے تھے۔[1]

مسلمانوں نے جنگ میں بہت بہادری کا مظاہرہ کیا حتی کہ صلیبی شہسوار شہر سے باہر نہ نکلنے اور شہر کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ آخر مسلمان خندق تک پہنچ گئے اور انھوں نے فصیل میں شگاف ڈالنا شروع کر دیا جبکہ مسلمانوں کی منجنیقیں دشمنوں کو فصیل کا دفاع کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھیں حتی کہ صلیبی سمجھ گئے کہ اب دفاع کا کوئی فائدہ نہیں اور مایوس ہوگئے۔ انھیں محسوس ہوگیا کہ یہ مقدس شہر ان کے ہاتھوں سے نکلنے والا ہے اور مسلمان اسے ان کے قبضے میں ہرگز نہیں رہنے دیں گے۔ تب انھوں نے مسلمانوں کو شہر کا قبضہ دینے کے لیے صلاح الدین سے مذاکرات شروع کیے۔

صلاح الدین نے انھیں یاد دلایا کہ نوے سال پہلے جب انھوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا تو یہاں کے باشندوں سے کیا سلوک کیا تھا۔ صلیبیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اب انھیں بھی اسی طرح قتل کیا جائے گا

---

[1] الکامل: 548,547/11، و مفرج الكروب: 212/2، و البداية والنهاية: 323/12، و صلاح الدين الأيوبي للقلعجي: 330.

جس طرح انھوں نے مسلمانوں کو ظالمانہ طور پر شہید کیا تھا۔ تب انھوں نے دھمکی دی کہ وہ شہر کو نذرِ آتش کر دیں گے، ان کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں، انھیں قتل کر دیں گے، صخرہ اور باقی مسجد کو تباہ کر دیں گے، پھر اپنے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور مرتے دم تک لڑیں گے۔ صلاح الدین نے علماء اور کمانڈروں سے مشورہ کیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ لوگوں کو اس شرط پر امان دے دی جائے کہ ہر شخص فدیہ کی مقررہ رقم ادا کر کے شہر سے جا سکتا ہے۔ جو لوگ اس شرط کو تسلیم کریں، انھیں شہر چھوڑنے کے لیے چالیس دن کی مہلت دی جائے، چنانچہ ان شرائط کے تحت جمعہ 27 رجب 583ھ مطابق 2 نومبر 1187ء کو شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ [1]

اس دن ایک جشن کی سی کیفیت تھی۔ بیت المقدس کے شہر میں ہر طرف اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مسلمان مسجد اقصیٰ میں پہنچے اور اسے عیسائیوں کی نازیبا حرکتوں کے باقی ماندہ آثار سے پاک کر دیا۔ عیسائیوں نے مسجد کی محراب کو خنزیروں کا باڑا بنایا ہوا تھا، چنانچہ اس کے آس پاس کی بھی صفائی کی گئی اور وہ عمارتیں ختم کر دی گئیں جنھیں تعمیر کر کے انھوں نے مسجد کو مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے اسے دوبارہ پہلی صورت دی اور وہ صلیب اتار دی جو عیسائیوں نے مسجد کے گنبد پر نصب کر رکھی تھی۔ ابن واصل کہتا ہے: ''گنبدِ صخرہ پر سونے کی ایک بہت بڑی صلیب تھی۔ جمعے کے دن جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو کوئی مسلمان اسے اکھاڑنے کے لیے گنبد پر چڑھ گئے۔ جب وہ اوپر چڑھے تو مسلمان انھیں دیکھ رہے تھے اور فرنگیوں کو بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جب صلیب اکھاڑی گئی اور وہ نیچے گر گئی تو شہر بھر کے اندر اور باہر سے فرنگیوں اور مسلمانوں کی آوازیں بیک وقت بلند ہوئیں۔ مسلمانوں نے تو خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جبکہ فرنگیوں کی دکھ اور افسوس کی وجہ سے چیخیں نکل گئیں۔ یہ شور اتنا زیادہ اور شدید تھا، گویا زمین پر زلزلہ آ گیا ہے۔'' [2]

پہلے جمعے کو، یعنی شہر کا انتظام سنبھالنے سے تقریباً ایک ہفتہ بعد مسجد نماز کی ادائیگی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ اس دن مسلمانوں کا جم غفیر حاضر تھا۔ شام کے عوام قرب و جوار کے مختلف شہروں سے آئے تھے تاکہ صلیبیوں کے شر اور شرک سے پاک ہونے کے بعد پہلا جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کریں۔ مسلمان اس عظیم اجتماع

---

[1] الكامل: 549/11، و مفرج الكروب: 214/2، و البداية والنهاية: 323/12، و الروضتين: 97/2، و وفيات الأعيان: 179/7، و السلوك: 122/1، و صلاح الدين الأيوبي: 337. [2] مفرج الكروب: 217/2، و الكامل: 551/11، و البداية والنهاية: 324/12.

بیت المقدس کی فصیل پر اسلامی یلغار(1187ء)

کو دیکھ کر خوشی سے اشک بار تھے۔ ان کی زبانوں پر لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے الفاظ تھے اور اپنے رب کے سامنے جھک رہے تھے۔ نورالدین محمود زنگی نے بیت المقدس کی فتح کا انتظار کرتے ہوئے اپنی زندگی میں ایک منبر وہاں رکھنے کے لیے تیار کروایا تھا۔ مسلمانوں کا خطیب اس منبر پر بیٹھا۔ صلاح الدین کی آمد پر خطیب نے اس آیت مبارکہ سے اپنا خطبہ شروع کیا:

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

”ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظالم تھے اور تعریف (وشکر) اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا مالک ہے۔“ (الأنعام 45:6)[1]

اس خطبے کے چند جملے درج ذیل ہیں:

[1] پورے خطبے کے لیے دیکھیے: مفرج الکروب: 224/2، و البدایة و النهایة: 324/12.

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُعِزِّ الْإِسْلَامِ بِنَصْرِہٖ وَمُذِلِّ الشِّرْكِ بِقَهْرِہٖ وَ مُدِيمِ النِّعَمِ بِشُكْرِہٖ، اَلَّذِي قَرَّ الْأَيَّامَ دِوَلًا بِعَدْلِہٖ، وَجَعَلَ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ بِفَضْلِہٖ، وَأَفَاضَ عَلٰى عِبَادِہٖ مِنْ ظِلِّہٖ، وَأَظْهَرَ دِينَهٗ عَلَى الدِّينِ كُلِّہٖ، اَلْقَاهِرِ فَوْقَ عِبَادِہٖ فَلَا يُمَانَعُ...»

’’سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنی مدد کے ساتھ اسلام کو عزت بخشنے والا، اپنے قہر کے ساتھ شرک کو ذلیل کرنے والا اور شکر کی وجہ سے نعمتوں کو دوام بخشنے والا ہے۔ جس نے اپنے عدل کی بنا پر دنوں کو آنے جانے والا بنایا اور اپنے فضل سے اہل تقویٰ کا انجام اچھا کیا اور اپنے بندوں پر اپنا (انعام و رحمت کا) سایہ کیا اور تمام ادیان پر اپنے دین کو غالب کیا۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روکا نہیں جا سکتا ......‘‘

اور کہا:

«اَللّٰہُ أَكْبَرُ، فَتَحَ اللّٰہُ وَنَصَرَ، وَغَلَبَ وَقَهَرَ، وَأَذَلَّ مَنْ كَفَرَ...»

’’اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ نے (مومنوں کو) فتح و نصرت سے نوازا اور اہلِ کفر کو مغلوب، مقہور اور ذلیل کیا ......‘‘

بیت المقدس کا فضائی منظر جس میں قبۃ الصخرہ نمایاں ہے

نابلس (فلسطین) کے قدیم شہر میں عربی محرابوں والی تاریخی گلی

یہ مکمل خطبہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے کیونکہ یہ اہم ترین دن کا خطبہ تھا، یعنی مسجد کو پاک کرنے کے بعد پہلے جمعے کا خطبہ۔

فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں نے عیسائیوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ جو لوگ شہر چھوڑنا چاہتے تھے، ان سے طے شدہ مقررہ رقم لے کر انھیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے گرجا گھر جیسے تھے، ویسے ہی رہنے دیے گئے لیکن جو مسجدیں گرجاؤں میں تبدیل کر دی گئی تھیں، انھیں دوبارہ مسجدیں بنا دیا گیا۔ ان کے بہت سے سردار اپنا مال لے کر چلے گئے اور ناداروں کی طرف سے فدیہ ادا کر کے انھیں ساتھ لے جانے کا نہ سوچا۔ ان میں سرفہرست بیت المقدس کا لاٹ پادری تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں، سرداروں اور فوجی افسروں کا بھی یہی رویہ تھا۔ [1]

[1] مفرج الکروب:2/216، و صلاح الدین:339.

بعض مسلمانوں نے اپنی جیب سے عیسائیوں کا فدیہ ادا کیا۔ صلاح الدین نے کمزوروں، بیواؤں اور ان معزز عیسائیوں پر خاص طور پر شفقت کی جو اب ذلیل ہو کر رہ گئے تھے۔ ابن واصل اس سلسلے میں بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''بیت المقدس میں شاہِ روم کے کنبے کی ایک خاتون تھی، اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی اور وہاں قیام پذیر تھی۔ اس کے ساتھ اس کے خدمت گاروں، غلاموں اور لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اس کے پاس بہت سا مال اور قیمتی جواہرات تھے۔ اس نے اپنے لیے اور اپنے ساتھ کے افراد کے لیے امان طلب کی۔ صلاح الدین نے اسے امان دی اور رخصت کر دیا۔''

قبۃ الصخرہ (بیت المقدس)

اسی طرح بادشاہ ''گائی'' کی بیوی جو بادشاہ ''امیلرک'' کی بیٹی تھی، وہ بیت المقدس میں اپنے خدمت گاروں، غلاموں اور لونڈیوں سمیت بہت سا مال و دولت لے کر رہ رہی تھی۔ اس نے سلطان سے اپنے خاوند کے پاس جانے کی اجازت مانگی جو نابلس کے برج میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے اجازت دے دی اور وہ جا کر اس کے پاس مقیم ہو گئی۔

کرک کا حکمران پرنس ارناط جسے جنگ حطین کے بعد سلطان نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، اس کی بیوی نے حاضر ہو کر اپنے بیٹے کی سفارش کی تو سلطان نے اس سے کہا: ''اگر تو کرک ہمارے حوالے کر دے تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔'' وہ کرک گئی لیکن وہاں کے فرنگیوں نے اس کی بات نہ سنی اور کرک سے نہ نکلے، اس لیے سلطان نے اس کے بیٹے کو تو آزاد نہ کیا لیکن اس کا مال اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ فرنگیوں کا بڑا پادری روانہ ہوا تو اس کے ساتھ کلیساؤں، صخرہ، مسجد اقصیٰ اور کلیسائے قمامہ کا بے حد و حساب مال تھا۔ [1] اس کے علاوہ اس کی ذاتی دولت بھی بہت زیادہ تھی۔ سلطان نے اسے کوئی روک ٹوک نہ کی۔ کسی نے کہا:

---

[1] عرب کے عیسائی اسے کنیسۃ القیامہ کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے بعد ایک قبر میں رکھا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام وہاں سے زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ گرجا اس جگہ بنایا گیا ہے۔ (مترجم)

”اس کا مال ضبط کر لیجیے، اس سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہو گی۔“ سلطان نے کہا: ”میں عہد شکنی نہیں کروں گا۔“ اس سے صرف دس دینار وصول کیے گئے (جو ہر شخص سے لیے جا رہے تھے) اور ان سب کو جانے دیا بلکہ ان کے ساتھ صور شہر تک محافظ بھیجے۔“ [1]

تمام تاریخ نویسوں نے دشمنوں سے مسلمانوں کے حسن سلوک کی تعریف کی ہے۔ مشرق و مغرب کے تمام مؤرخین نے اس حسنِ سلوک کو سراہا ہے جو صلاح الدین نے بیت المقدس کی فتح کے وقت کیا ہے۔ وہ بہت تعجب سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے بیماروں، بوڑھوں اور ضرورت مند فرنگیوں کو مال بھی دیا اور (سواری کے) جانور بھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے عیسائی عورتوں کی عزت کا خیال رکھا، بچوں پر شفقت کی اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کی۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کے فوجی بھی اسی کی طرح انسانی خوبیوں سے مزین اور اولوا العزم تھے۔ انھوں نے اس عظیم تاریخی واقعے کے وقت کسی ایسی نامناسب حرکت کا ارتکاب نہیں کیا جو ایسے موقعوں پر فاتح فوج کے سپاہی عام طور پر کرتے ہیں اور جس طرح کے بے شمار گھناؤنے واقعات اس وقت پیش آئے تھے جب فرنگیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا۔ [2]

فتح یروشلم (1187ء) کے بعد کا منظر

اس فتح کو تمام عالم اسلام میں اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان شمار کیا گیا۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے صلاح الدین کو دعائیں دیں اور شاعروں نے اس کی شان میں قصیدے لکھے جو بعد میں ”قدسیات“ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اہل ادب نے اس موقع

---

[1] مفرج الكروب: 216/2، و الكامل: 550/11، 551، و البداية والنهاية: 324/12، و وفيات الأعيان: 189/7، و صلاح الدين الأيوبي: 338-345.

[2] صلاح الدين الأيوبي: 338.

پر خطاب کیے جن سے ہر جگہ مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوئی اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہوگئی جنھوں نے پہلی بار بیت المقدس کو فتح کیا تھا۔ اس موقع پر ایک شاعر کے قصیدے میں سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

أَتُرٰى مَنَامًا مَّا بِعَيْنِي أُبْصِرُ اَلْقُدْسُ يُفْتَحُ وَالْفَرَنْجَةُ تُكْسَرُ

''کیا یہ کوئی خواب ہے جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ القدس فتح ہو رہا ہے اور فرنگی شکست کھا رہے ہیں۔''

وَقُمَامَةٌ قُمَّتْ مِنَ الرِّجْسِ الَّذِي بِزَوَالِهٖ وَزَوَالِهَا يَتَطَهَّرُ

''اور قمامہ کو نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ اس گندگی کے زائل ہونے سے اور اس گرجے کے ختم ہونے سے وہ جگہ پاک ہوگئی۔''

وَمَلِيكُهُمْ بِالْقَيْدِ مَصْفُودٌ وَّلَمْ يُرَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَهُمْ مَلِيكٌ يُّؤْسَرُ

''ان کا بادشاہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ان کا کوئی بادشاہ قیدی بنتا نہیں دیکھا گیا۔''

قَدْ جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ الَّذِي وُعِدَ الرَّسُولُ فَسَبِّحُوا وَاسْتَغْفِرُوا

''اللہ کی وہ مدد اور فتح آگئی جس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اب اللہ کی تسبیح بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔'' [1]

ایک اور شاعر نے ایک سو اشعار کا قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:

هٰذَا الَّذِي كَانَتِ الْآمَالُ تَنْتَظِرُ فَلْيُوفِ لِلّٰهِ أَقْوَامٌ بِمَا نَذَرُوا

''یہ واقعہ ہے جس کا امیدوں کو انتظار تھا۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ انھوں نے اللہ کے لیے جو نذریں مانی ہیں، پوری کریں۔'' [2]

صلاح الدین فتح حاصل ہو جانے کے بعد تقریباً ایک مہینے تک بیت المقدس میں ٹھہرا۔ اس دوران میں اس نے شہر کے انتظامات اپنی نگرانی میں درست کیے، بعض مدارس کھولے۔ مسجدوں کا انتظام کر کے اماموں اور مؤذنوں کا تقرر کیا اور ضرورت کی اشیاء فراہم کیں۔ اس کے علاوہ اس نے تمام رعایا میں حق اور انصاف قائم کرنے پر توجہ دی۔ اس کے بعد ایک بار پھر جہاد کے لیے روانہ ہوگیا۔

---

[1] مفرج الكروب:223/2. [2] وفيات الأعيان:187/7.

لبنانی شہر صُور کے تاریخی آثار

بیت المقدس کی فتح کے بعد

اگرچہ صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے پہلے صلیبیوں کے متعدد فوجی اڈے فتح کر لیے تھے، اس کے باوجود صلیبیوں کے کئی اہم اڈے جنگ سے بچ کر واپس آنے والے پناہ گزین صلیبیوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بن رہے تھے۔ ان کے اہم مراکز طرابلس، صور اور انطاکیہ تھے۔ یہ صلیبی جنگ بازوں کے لیے قدم جمانے کی جگہ بن رہے تھے۔ ان کے بحری مرکز انھیں اس کے لیے تیار کر سکتے تھے۔[1]

صلاح الدین جس مقام کو سب سے پہلے فتح کرنا چاہتا تھا، وہ صور کا شہر تھا۔ یہ سمندر کے کنارے ایک قلعہ بند شہر تھا۔ مسلمان اس کے بارے میں زیادہ فکر مند تھے کیونکہ وہاں صلیبیوں کے بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہ جمع ہو چکے تھے۔ صلاح الدین نے اسی سال رمضان 583 ھ میں اس کا محاصرہ کیا۔ اس نے مصر کے بحری بیڑے کو بھی محاصرے میں شریک ہونے کے لیے طلب کر لیا۔ شہر کے اردگرد بحری معرکہ ہوا جس کا نتیجہ صلیبیوں کے حق میں نکلا اور خشکی کا معرکہ بھی ہوا جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔ مسلمانوں

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 198.

نے شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ موسم سرما شروع ہوگیا۔ سرداروں اور کمانڈروں نے اصرار کیا کہ محاصرہ کسی مناسب وقت تک ملتوی کر دیا جائے جبکہ صلاح الدین فتح ہو جانے تک محاصرہ جاری رکھنا ضروری سمجھتا تھا لیکن ان کے اصرار کی وجہ سے اس نے محاصرہ ختم کر دیا۔ [1]

سلطان نے دمشق جانے سے پہلے کچھ دوسرے قلعے فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ بعض قلعوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اور بعض میں ناکام رہا۔ سردی کا موسم ختم ہونے کے بعد سلطان نے فتوحات کے لیے کارروائیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران میں اس نے فرنگیوں کے دس سے زیادہ قلعے فتح کیے۔ ان میں سے بعض تو بہت اہم شہر تھے، جیسے لاذقیہ، طرطوس اور جبلہ وغیرہ۔ [2]

جب صلیبیوں نے اپنے قلعے یکے بعد دیگرے ہاتھ سے نکلتے دیکھے تو انطاکیہ کے حکمران نے صلاح الدین سے صلح کرنے کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے درمیان جنگ بند ہو جائے۔ صلاح الدین نے یہ مطالبہ اس شرط پر تسلیم کیا کہ جنگ بندی آٹھ ماہ کی محدود مدت کے لیے ہوگی، بشرطیکہ انطاکیہ کا حکمران ان مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے جو اس کے قبضے میں ہیں۔ قیدیوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ [3]

اس دوران میں مسلمانوں نے کرک کا بھی محاصرہ کیا ہوا تھا اور تقریباً ایک سال کی مدت اسی طرح گزر گئی تھی حتی کہ وہ لوگ تنگ آ گئے اور ماہ رمضان 584ھ میں شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ [4]

---

[1] مفرج الكروب:2/246، و الكامل:11/553-555، و البداية والنهاية:12/327، و النوادر السلطانية:83. [2] مفرج الكروب:2/255-269، و الكامل:11/557 اور 12/195، و النوادر السلطانية: 84، و سير أعلام النبلاء:21/286، و البداية والنهاية:12/329-331. [3] مفرج الكروب:2/269، و الكامل:12/19، و البداية والنهاية:12/330. [4] مفرج الكروب:2/272، و الكامل:12/20، و البداية والنهاية:12/330.

لاذقیہ (شام) میں قلعہ صلاح الدین

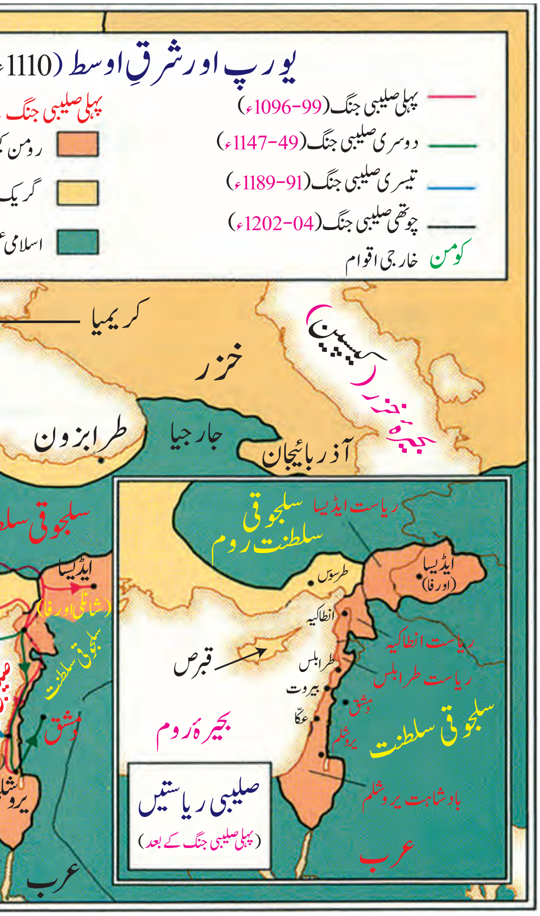

مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان معاملات اسی طرح چلتے رہے کہ مسلمان ان کے قلعوں پر حملے کرتے تھے اور وہ دفاع کرتے تھے حتیٰ کہ دوسری صلیبی مہم شروع ہوگئی۔

مسلمانوں کے بیت المقدس پر قبضے کا یورپ میں شدید ردعمل ہونا یقینی تھا، چنانچہ پوپ گریگوری ہشتم نے یورپ کے مختلف ممالک میں ایلچی بھیجے تاکہ عوام و خواص کو بیت المقدس کے لیے نکلنے کی ترغیب دی جائے۔ راہب اور پادری عوام کو مسلمانوں سے ایک اور جنگ کے لیے نکلنے کی ترغیب دینے میں اپنا کردار ادا کرنے لگے۔ ابن واصل ان حالات کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے: ''بیت المقدس پر جب سے مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا، پادریوں اور راہبوں نے کالے کپڑے پہن لیے اور غم کا اظہار کرنے لگے۔ بیت المقدس کا لاٹ پادری ان سب کو لے کر فرنگیوں کے ملکوں میں گھومنے لگا۔ وہ ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انھیں بیت المقدس واپس لینے کی ترغیب دیتے تھے۔ انھوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کی ایک فرضی تصویر بنائی۔ تصویر میں ایک عربی آدمی انھیں ڈنڈے مار رہا تھا اور مسیح علیہ السلام کی تصویر پر خون بہتا دکھایا گیا تھا، انھوں نے کہا: دیکھو! یہ مسیح ہے جسے مسلمانوں کا نبی محمد (ﷺ) مار رہا ہے۔ اس نے مسیح کو زخمی کر کے قتل کر دیا ہے۔''[1]

یورپ میں یہ پروپیگنڈا بہت کامیاب ہوا۔ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ ان کی قیادت فرانس اور انگلستان کے بادشاہ کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسا تقریباً ایک ہزار فوجی لے کر چل پڑا لیکن اس نے خشکی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اناطولیہ کے سلجوقی علاقے سے گزرنا بہتر سمجھا۔ ''اوتاہ'' (فریڈرک) قتل ہوگیا۔[2] اس طرح جرمنی کا وہ حملہ ناکام ہوگیا،

---

[1] مفرج الكروب:2/288، و صلاح الدين الأيوبي، ص:62. [2] ''کروسیڈز'' کا مصنف سرجارج ڈبلیو کارکس لکھتا ہے: بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تیسری صلیبی جنگ کے لیے نکلنے والا جرمن بادشاہ فریڈرک علاقہ قلیقیا (ترکی) کی کسی ندی سے اتر رہا تھا کہ اس میں ڈوب کے مرگیا۔ (''خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز'' ترجمہ مولانا عبدالحلیم شرر:203)

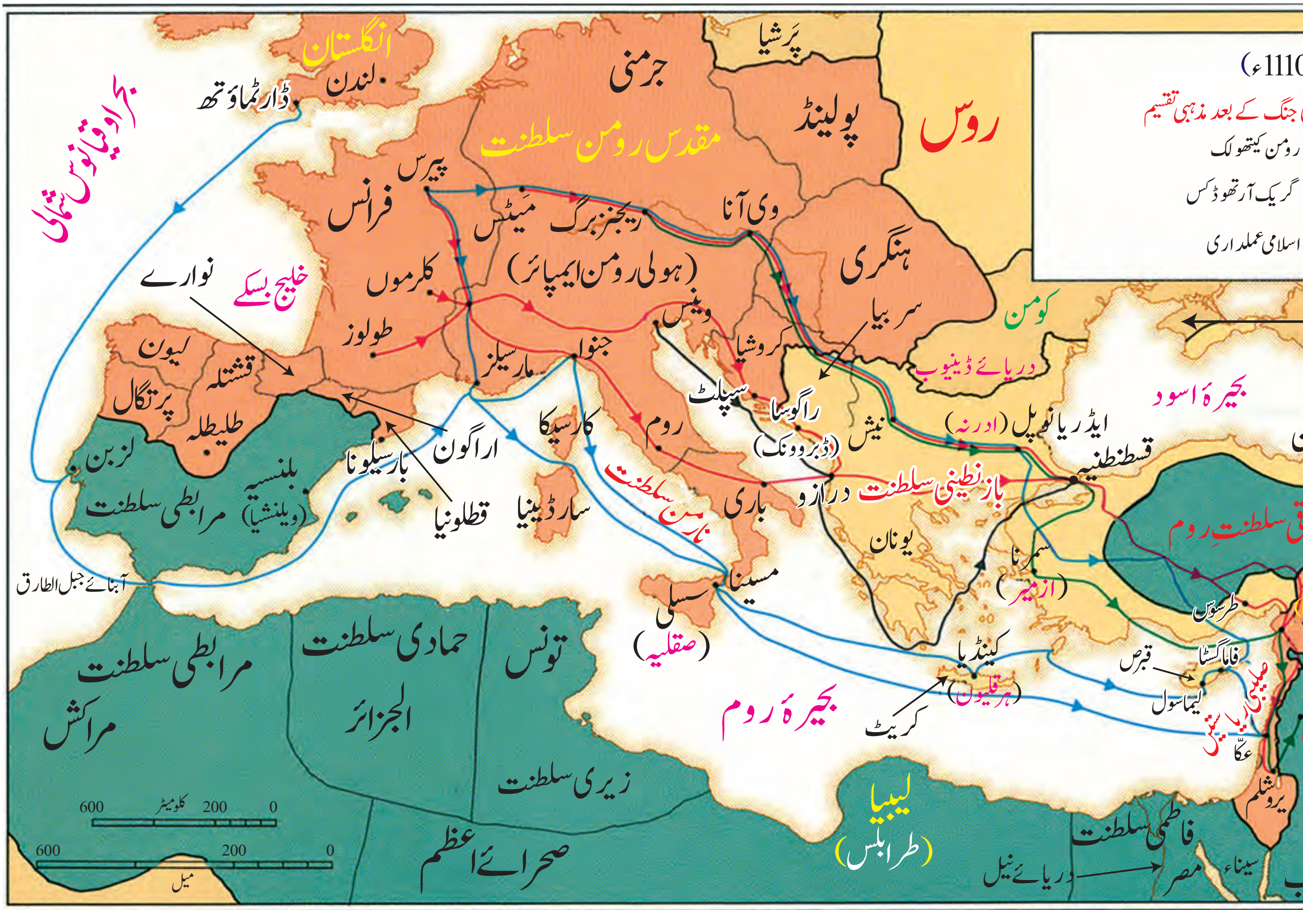

جو اگر شام کے ملک تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو شدید ترین حملہ ہوتا۔[1]

صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ ''گائی لوزینان'' کو گرفتار کر لیا تھا، پھر اس سے یہ وعدہ لے کر چھوڑ دیا کہ وہ مسلمانوں سے نہیں لڑے گا لیکن اس نے بچے کھچے تقریباً بیس ہزار صلیبیوں کا لشکر جمع کر لیا اور عکا پر حملہ کرنے کے لیے انھیں لے کر صور سے روانہ ہوا۔ یہ واقعہ جمادی الاخری 585ھ کا ہے۔ بیت المقدس کے مسلمانوں کے پاس چلے جانے کے بعد صلیبیوں کے حملہ آور ہونے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ اصل میں جب صلیبیوں کو معلوم ہوا کہ یورپ سے فوجیں آ رہی ہیں تو انھوں نے عکا پر حملہ کرنے کی جسارت کی کیونکہ عکا ساحلِ سمندر پر واقع ہے اور یورپ سے کمک بحری راستے سے آ رہی تھی۔ صلاح الدین نے اس معاملے پر پوری توجہ دی اور اسلامی شہروں کو خط لکھے کہ وہ فوجی بھیجیں اور خود عکا کی طرف روانہ

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 203، معاضیدی اور ساتھیوں کی کتاب: 177۔

ہوگیا۔ سلطان نے عکا کا محاصرہ کرنے والے بعض لشکروں کو شکست دے دی۔ اس نے مسلمانوں کے لیے شہر کے اندر تک پہنچنے کا راستہ بنا لیا اور صلاح الدین خود شہر میں داخل ہوگیا۔ مسلمانوں اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں میں کئی معرکے ہوئے۔ فرنگیوں کو سمندر کے راستے مسلسل مدد مل رہی تھی، چنانچہ فرانس، روم اور دوسرے یورپی ممالک کے بحری بیڑے آ پہنچے۔

عجیب تر واقعہ یہ ہوا کہ فرنگیوں کا ایک جہاز عورتیں لے کر آیا تاکہ فوجیوں کے دل بہلانے کا بندوبست ہو، حالانکہ وہ تقویٰ اور پاک بازی کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابن واصل کہتا ہے: ''ایک جہاز میں تین سو خوب صورت فرنگی عورتیں پہنچیں جو مختلف جزیروں سے اکٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے خیال میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیے ہوئے تھیں۔[1] انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ فرنگی جنگجوؤں میں سے جو شخص بھی ان سے ہمبستری کرنا چاہے گا، وہ انکار نہیں کریں گی۔ ان کے خیال میں یہ ایسی نیکی تھی جس سے بڑی نیکی ممکن نہیں، بالخصوص اگر وہ ایسے مرد کو قربت کا موقع دیں جو وطن سے دور بھی ہے اور کنوارا بھی۔''[2] اس دور کے بعض صلیبیوں نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''کیا خداوند کی میراث اس طرح کے ہتھیاروں کے ذریعے سے واپس لی جاسکتی ہے؟''[3]

عکا کا محاصرہ طویل بھی تھا اور شدید بھی، اس لیے بعض سرداروں نے صلاح الدین سے واپس چلے جانے کی اجازت مانگی کیونکہ حالات بہت نازک ہوگئے تھے۔ سلطان کی رائے تو یہی تھی کہ یہیں ٹھہرا جائے اور دشمن کی شکست تک شہر کا دفاع کیا جائے لیکن فوج اور سرداروں کے دباؤ کی وجہ سے اس نے شہر کے دفاع کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اسے دشمنوں سے رزم آرائی کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد فرنگیوں کی کمک بڑھتی گئی اور مسلمانوں کی کمک کم ہوتی گئی، پھر برطانیہ کا بادشاہ ''رچرڈ شیر دل'' اور فرانس کا بادشاہ ''فلپ آگسٹس'' بھی پہنچ گئے، چنانچہ طاقت کا توازن عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کے حق میں بھاری ہوگیا۔ صلاح الدین کی کوشش تھی کہ وہ عکا کا محاصرہ کرنے والوں پر پیچھے سے حملہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی بحری بیڑے کی نگرانی بھی کر رہا تھا جس کے ذمہ عکا کے اندر محصور مسلمانوں تک خوراک اور ضروری اشیاء پہنچانا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ سمندری جھڑپیں جاری رکھے ہوئے تھا۔ بعض اوقات

---

[1] مفرج الكروب: 288/2، و الكامل: 61/12، و البداية والنهاية: 342/12، و صلاح الدين الأيوبي: 369.

[2] مفرج الكروب: 308/2. [3] تاريخ الوطن العربي: 178.

فلسطین کے قدیم شہر عکّا میں مسجد الجزار (مسجد الابیض)

اس کے جہاز اور فوجی، دشمنوں کے جہازوں اور فوجیوں کی سی شکل و شباہت اختیار کر لیتے تھے تاکہ محاصرہ کرنے والے جہازوں کے درمیان سے گزر کر عکا کے محصور مسلمانوں تک خوراک پہنچا سکیں۔ [1]

ادھر صلیبی افواج مسلمانوں سے بہت زیادہ تھیں۔ شہر کا دفاع کرنے کے لیے صرف چھ ہزار مجاہد رہ گئے تھے، جبکہ ان کا مقابلہ دشمن کے ایک لاکھ بحری اور بری فوجیوں سے تھا۔ عکا کا دفاع کرنے والوں نے شہر کو دشمن کے حوالے کرنے کی اجازت مانگی لیکن صلاح الدین اس پر قبضہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ آخر کار ان کا مسلمانوں سے ان شرطوں پر معاہدہ ہوگیا کہ عیسائی عکا سے مسلمانوں کے صحیح سلامت نکل جانے کی ضمانت دیں گے اور اس کے عوض وہ کچھ جزیہ ادا کریں گے۔ اس طرح مسلمان شہر سے نکل آئے۔ فرنگی حیران تھے کہ وہ کس طرح مسلسل دو سال تک صبر و استقامت سے ڈٹے رہے۔ ''مسلمانوں کو شہر چھوڑنے کی اجازت دی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ انھیں اس دوران میں پریشان نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں فاتحین انھیں ترس کھانے والی نظروں سے شہر سے نکلتے دیکھ رہے تھے کیونکہ ان کی شجاعت اس قدر دلیرانہ تھی کہ دشمن بھی ان کے لیے احترام اور شفقت کے جذبات محسوس کر رہے تھے۔ وہ لاغر ہو چکے تھے، ان کے بال گرد آلود تھے، جسم میلے کچیلے تھے، وہ بھوک سے بے حال تھے، ان کے کپڑے پھٹے پرانے تھے لیکن ان کے سر جھکے ہوئے نہیں تھے۔ یہ دیکھ کر صلیبی حیران رہ گئے۔'' چنانچہ دو سال کے محاصرے کے بعد، معرکہ حطین سے تقریباً چار سال بعد 12 ربیع الاول 587ھ مطابق 1191ء کو شہر پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ [2]

شہر سے دست برداری کے موقع پر یہ شرط تسلیم کی گئی تھی کہ مسلمان فرنگیوں کے قیدی ہوں گے لیکن انھیں جان کی امان حاصل ہوگی، تاہم فرنگیوں نے ایک دن انھیں ایک جگہ اکٹھا کیا اور سب کو ایک ہی بار شہید کر دیا۔ ان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔ مسلمانوں کو اس حادثے کا شدید غم ہوا۔ [3]

ان دو سالوں میں مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان جو بھی جنگیں ہوئیں، عکا کی جنگ ان میں شدید ترین جنگ تھی۔ اگرچہ صلیبیوں نے عکا پر قوت کے بل پر قبضہ کر لیا تھا، تاہم اس کے لیے جو صلیبی قتل ہوئے، ان کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ [4]

---

[1] مفرج الكروب:331/2، و الكامل:41/12، و البداية والنهاية:333/12. [2] تاريخ الحروب الصليبية:207.
[3] مفرج الكروب:364/2، و الكامل:68/11، و البداية و النهاية:345/12، و وفيات الأعيان:197/7، و النوادر السلطانية:174، و السلوك:132/1. [4] دیکھیے حوالہ جات مذکور بالا۔

بیت المقدس کا دفاع اور رملہ کی صلح

صلاح الدین کی توجہ سب سے زیادہ بیت المقدس کی طرف تھی۔ اسے یقین تھا کہ عکا پر صلیبیوں کا قبضہ بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ ہے، اس لیے اسے یہی فکر تھی کہ اس کی حفاظت کی جائے اور صلیبیوں کو اس پر قبضہ کرنے سے باز رکھا جائے۔ اس کے باوجود صلیبی سمندر اور خشکی کی راہ سے عسقلان کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ مقام مصر اور شام کے درمیان سب سے اہم فوجی مرکز تھا۔ اس پر جس فریق کا قبضہ ہو جاتا، وہ بڑی آسانی سے وہاں سے ایک لشکر مصر کی طرف اور ایک لشکر شام کی طرف بھیج سکتا تھا، اس لیے صلاح الدین بہت فکر مند تھا۔ وہ صلیبی فوجوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور ان پر مسلسل حملے کرنے لگا۔ فریقین کے متعدد افراد قتل اور زخمی ہوئے۔ صلیبی عسقلان پہنچنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے تھے۔ اس دوران میں صلاح الدین کے بھائی اور بڑے کمانڈر الملک العادل نے انگریزوں کے بادشاہ ''رچرڈ شیر دل'' سے ملاقات کی۔ رچرڈ نے مطالبہ کیا کہ بعض جنگی چوکیاں جنگ کیے بغیر اس کے حوالے کر دی جائیں۔ الملک العادل نے اس کا بہت سخت جواب دیا۔[1]

---

[1] مفرج الكروب: 367/2، والنوادر السلطانية: 182.

جب صلاح الدین نے دیکھا کہ صلیبی عسقلان پر ضرور قبضہ کر لیں گے اور اسے یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ وہ بیت المقدس پر حملہ کر دیں گے تو اس نے فوراً وہاں کے قلعے اور فصیلیں مسمار کر دیں تاکہ صلیبی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ صلاح الدین کی یہ کارروائی اس وقت صحیح ثابت ہوگئی جب صلیبیوں نے بعد میں اس پر قبضہ کیا تو انھیں اس کی دفاعی تعمیرات دوبارہ قائم کرنے میں ایک لمبا عرصہ لگا۔ [1]

عسقلان کی دفاعی تعمیرات مسمار کرنے کے فوراً بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف توجہ کی تاکہ اسے کسی متوقع حملے سے محفوظ کرنے کے لیے تیاری کی جائے اور حفاظتی اقدامات کیے جائیں۔ اس دوران میں اس نے کچھ فوج دشمنوں کو مصروف رکھنے کے لیے چھوڑ دی۔ یہ فوج انھیں مصروف رکھنے میں واقعی کامیاب رہی۔ ایک جھڑپ میں خود رچرڈ شیر دل بھی گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔ [2]

صلاح الدین بیت المقدس پہنچ گیا اور اس کا دفاع مضبوط بنانے لگا۔ اس نے چٹانوں کو توڑنے اور مختلف مقامات پر کھدائی کرنے کے لیے کارکن طلب کر لیے۔ وہ خود اور اس کے سردار اور کمانڈر بھی پتھر ڈھونے کا کام کرتے رہے۔ اس کام میں علماء اور قاضی بھی اس کے ساتھ شریک تھے۔ [3]

صلاح الدین کا خیال صحیح ثابت ہوا کیونکہ صلیبیوں نے واقعی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ سلطان اس معاملے میں بہت پریشان ہوا اور اس نے شہر کے اندر سے ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ کچھ کمانڈروں نے تجویز پیش کی کہ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر کامیابی نہ ہو تو اسے چھوڑ کر واپسی اختیار کی جائے۔ سلطان اس سے مزید پریشان ہوگیا۔ اس نے محسوس کیا کہ بیت المقدس سے دست بردار ہونے سے اس کا مر جانا بہتر ہے۔ اس نے ایک عالم کے سامنے یہ معاملہ رکھا کیونکہ وہ علماء سے اکثر رابطہ رکھتا تھا۔ اس عالم نے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''اس موقع پر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔'' اس نے کہا: ''آج جمعے کا دن ہے جو ہفتے کا سب سے مبارک دن ہوتا ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ اس دن دعا قبول ہوتی ہے۔ ہم اس بابرکت مقام پر موجود ہیں جس سے زیادہ بابرکت مقام پر ہم آج نہیں پہنچ سکتے۔ سلطان کو چاہیے کہ جمعے کا غسل کرے اور پوشیدہ طور پر کچھ صدقہ کرے اور کسی کو معلوم نہ ہونے پائے کہ وہ صدقہ آپ کی طرف سے ہے، پھر آپ اذان اور اقامت کے درمیان رب سے

---

[1] الکامل: 78/11، و مفرج الکروب: 380/2. [2] مفرج الکروب: 373-371/2، و الروضتین: 192/2، و الکامل: 72/11. [3] مفرج الکروب: 375/2، و الکامل: 74/11، و البدایة والنهایة: 347/12.

دعا کریں اور اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیں۔ اللہ کے سامنے اعتراف کریں کہ آپ اپنا مقصود حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کی دعا قبول کر لے۔'' (ابن واصل کہتا ہے:) جب جمعے کا وقت ہوا تو میں نے مسجد اقصیٰ میں سلطان کے قریب نماز پڑھی۔ اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں ہے اور مصلیٰ پر اس کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ [1]

صلاح الدین ایسا ہی تھا کہ وہ جہادی قوت حاصل کرتا تھا، مکمل تیاری کرتا تھا، وہ اپنی فوج میں آگے رہ کر بہادری سے جنگ کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اللہ کے سامنے آہ وزاری بھی کرتا تھا۔ اس طرح وہ اللہ کے سامنے اظہار کرتا تھا کہ وہ کمزور ہے اور ہمیشہ اس کا محتاج اور اس کی مدد کا ضرورت مند ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے حالات میں وہ پوشیدہ صدقہ بہت کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ان چیزوں کی طرف متوجہ کرنے میں پختہ کار علماء کا بھی اہم کردار ہے جن سے وہ ہمیشہ انس رکھتا تھا۔

صلیبی بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے۔ ان کی قیادت رچرڈ شیر دل کر رہا تھا کیونکہ فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس [2] مر چکا تھا۔ [3]

---

[1] مفرج الکروب:2/289,288. [2] سقوط عکا کے بعد فرنگی فوجوں کی قیادت رچرڈ نے سنبھال لی تھی۔ فلپ شاہِ فرانس لڑائی کا خیال چھوڑ کر اپنے وطن واپس روانہ ہو چکا تھا۔ (''سلطان صلاح الدین ایوبی''، محمد فرید ابو حدید: 204، ''خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز''، سرجارج ڈبلیو کارکس: 219) [3] النوادر السلطانیة:191، و مفرج الکروب:2/372.

صلیبی لُدّ کے قریب آ کر ٹھہرے۔ صلاح الدین سے ان کے مذاکرات ہوتے رہے۔ انگریز بادشاہ نے دیکھا کہ بیت المقدس کی قلعہ بندیاں بہت مضبوط ہیں اور مسلمان اس کے دفاع کا عزم کیے ہوئے ہیں تو اس نے محسوس کر لیا کہ بیت المقدس پر قبضہ کرنا مشکل ہے۔ انگریزوں نے صلح پر اصرار کیا لیکن اس کے لیے بے جا شرطیں رکھیں جو صلاح الدین کو منظور نہ تھیں۔ فرنگیوں کی کمزوری واضح ہو چکی تھی جن میں انگریز سرفہرست تھے، چنانچہ صلاح الدین نے رجب 588ھ میں اپنی کچھ فوجیں یافا کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے روانہ کیں اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔[1]

اب انگریز بیت المقدس کا محاصرہ ختم کر کے پسپا ہو گئے۔ صلاح الدین نے صلیبیوں کے خلاف مختلف فوجی کارروائیاں جاری رکھیں، چنانچہ انگریزوں کا بادشاہ مسلمانوں سے دوبارہ مذاکرات پر مجبور ہو گیا۔ اس بنا پر شعبان 588ھ میں صلاح الدین اور رچرڈ شیر دل کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا جو ''رملہ کی صلح'' کے نام سے مشہور ہوا۔[2]

یہ معاہدہ تین سال کی مدت کے لیے تھا۔ اس کے مطابق بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں رہا، البتہ عیسائی زائرین کو اجازت تھی کہ وہ غیر مسلح حالت میں زیارت کے لیے آ سکتے ہیں۔ اس دوران میں مسلمان ان کی حفاظت کریں گے۔ فریقین کے درمیان جنگی کارروائیاں روک دی جائیں گی۔ ساحل کا علاقہ فریقین میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔ مسلمان صلیبیوں کے زیر قبضہ علاقوں میں جا سکیں گے اور عیسائی مسلمانوں کے ملک میں آ سکیں گے۔ فریقین کے درمیان تجارت کو امان حاصل ہوگی اور آزادانہ تجارت کی اجازت دی جائے گی۔ فریقین کے سپاہی اس جنگ بندی سے بہت خوش تھے کیونکہ گزشتہ پانچ سال سے جاری مسلسل جنگ سے سبھی تھک چکے تھے، یعنی جب سے مسلمانوں نے بیت المقدس واپس لیا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ کے دوران میں بھی صلاح الدین اور انگریزوں کے درمیان پر امن تعلقات قائم تھے۔ جب رچرڈ شیر دل بیمار ہوا تو صلاح الدین نے اس کے علاج کے لیے طبیب بھیجے۔ اسی طرح اسے بیماری کے دوران میں برف اور پھلوں کی ضرورت تھی تو صلاح الدین اس کے لیے یہ چیزیں بھیجتا رہا، حالانکہ وہ اس کا مخالف اور دشمن تھا۔ اس پر فرنگیوں کو بہت تعجب ہوا۔[3]

---

[1] النوادر السلطانية: 244، و مفرج الكروب: 393/2، و الكامل: 84/11. [2] الكامل: 85/12، و البداية والنهاية: 350/12، و النوادر السلطانية: 223، و مفرج الكروب: 403/2، و السلوك: 137/1. [3] مفرج الكروب: 403/2، و الروضتين: 193/2، و البداية والنهاية: 350/12، و صلاح الدين الأيوبي: 412.

صلاح الدین میوزم

جنگ بندی ہوجانے کے بعد صلاح الدین دوبارہ بیت المقدس چلا گیا۔ وہ اس کے انتظامات درست کرتا رہا اور اس کی قلعہ بندیوں پر توجہ رکھی۔ اگرچہ مسلمانوں کا عیسائیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا، اس کے باوجود انھیں دشمنوں کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ رہتا تھا، چنانچہ وہ مطلوبہ دفاعی قوت تیار رکھتے تھے اور معاملات میں احتیاط سے کام لیتے تھے لیکن وہ خود عہد کی پاسداری کرتے تھے اور خیانت نہیں کرتے تھے۔ اس زیارت کے دوران میں صلاح الدین نے متعدد علمی مدارس قائم کیے، ان کے لیے اوقاف مقرر کیے اور ان میں علماء تعینات کیے۔[1]

اس کے بعد صلاح الدین واپس دمشق آگیا اور چند مہینے وہیں ٹھہرا رہا۔ اس نے بدھ کے دن 27 صفر 589ھ کو وفات پائی جبکہ وہ اپنی زندگی میں برسوں جانی اور مالی جہاد میں مشغول رہا۔ وہ مسلمانوں کے لیے ہراول دستے کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے ایسی مثال قائم کی جسے تاریخ میں کبھی بھلایا نہیں جاسکے گا۔ وہ نسلاً بعد نسلٍ ہر دور میں مسلمانوں کی تعریف اور دعا کا حق دار ثابت ہوا۔ کیا آج بھی کوئی نیا صلاح الدین سامنے آئے گا؟

---

[1] مفرج الكروب: 407/2، و وفيات الأعيان: 202/7، و الكامل: 95/11، و النوادر السلطانية: 246، و سير أعلام النبلاء: 286/21، و السلوك: 140/1.

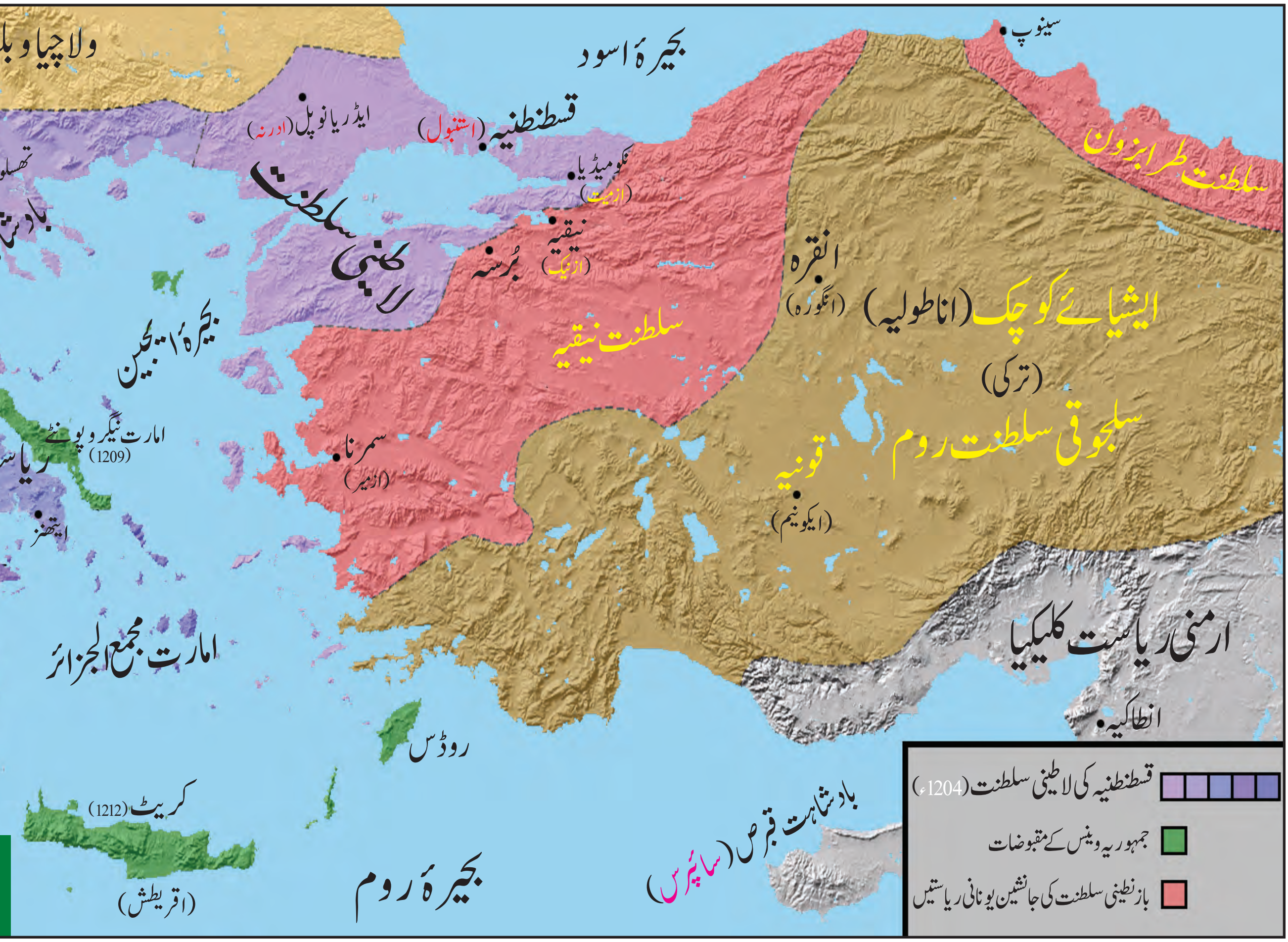

جہاد، صلاح الدین ایوبی کے بعد

یہ تو حقیقت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی وفات سے اسلامی قیادت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا تھا لیکن اس میدان میں صلاح الدین اکیلا نہیں تھا، اس لیے جہاد کا علم اس کے بعد بھی بلند ہی رہا۔ اگرچہ بعض اوقات اس کا رنگ پھیکا بھی پڑا اور اس کے بعد اس کے علم برداروں میں کمزوری بھی ظاہر ہوئی۔

صلاح الدین کے بعد اس کی سلطنت اس کے تین بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ سب سے بڑے بیٹے ''افضل'' نے دمشق اور بعض ساحلی علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ دوسرے بیٹے ''العزیز'' نے جس کا نام عثمان تھا، مصر سنبھال لیا اور تیسرے بیٹے ''الظاہر، غازی'' نے حلب اور اس کے ملحقہ شہروں کا انتظام سنبھالا۔ ان کا چچا ''العادل'' اردن، الجزیرہ اور دیار بکر پر حکومت کرنے لگا۔ ان بڑے بڑے ٹکڑوں کے علاوہ بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوئے جو صلاح الدین کے دوسرے رشتہ داروں نے آپس میں بانٹ لیے۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 4,3/3، والکامل: 96/12، والسلوك: 143,142/1.

قانونی طور پر ''فضل'' ہی سلطان تھا کیونکہ اس کے حق میں خود صلاح الدین نے وصیت کی تھی لیکن صلاح الدین کے بیٹوں میں بکثرت اختلافات کی وجہ سے بھی ان کے چچا ''سلطان عادل'' کو ان کی رہنمائی کرنے والے اور سربراہ کا مقام حاصل ہو گیا۔ اسے اس وجہ سے بھی تقویت حاصل ہوئی کہ وہ صلیبیوں سے لڑے جانے والے معرکوں میں صلاح الدین کے ساتھ شریک رہا تھا اور اس نے قربانیاں دی تھیں۔ کئی سالوں کے اختلاف و انتشار کے بعد 596ھ میں جب ''سلطان عادل'' کا مصر اور شام پر قبضہ ہو گیا تو یہ اختلافات ختم ہو گئے۔ [1]

اس دوران میں فرنگیوں سے چند چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں لیکن وہ بہت زیادہ نہیں تھیں کیونکہ مسلمانوں نے صلاح الدین کے دور میں ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا تھا۔

رملہ کی صلح سے دس سال بعد صلیبیوں سے شدید جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام کے صلیبیوں کو اطلاع ملی کہ جرمنی کے بادشاہ کی قیادت میں چوتھا صلیبی لشکر روانہ ہونے والا ہے جس کا مقصد شام کے ملک پر قبضہ کرنا ہے، چنانچہ یورپ سے آنے والے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر شام کے صلیبی بھی حرکت میں آ گئے۔ انھوں نے اس لشکر کے آنے کی امید میں مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی لیکن وہ لشکر کبھی نہ پہنچا کیونکہ اس نے اپنا رخ تبدیل کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا اور بازنطینی حکومت سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ حماۃ کے امیر ملک منصور سے صلیبیوں کی جنگیں ہوئیں جن میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور صلیبیوں کے بہت سے فوجی قتل اور گرفتار ہوئے۔ یہ رمضان 599ھ کا واقعہ ہے۔ [2]

جب شام کے صلیبی مایوس ہو گئے تو مجبوراً مسلمانوں سے مذاکرات پر آمادہ ہو گئے اور 601ھ کے اوائل میں ایک نیا معاہدہ طے پا گیا۔ [3] اس کے باوجود مسلمانوں اور صلیبیوں میں کئی جنگیں ہوئیں جن میں مسلمانوں کی قیادت سلطان ''عادل'' کر رہا تھا۔

---

[1] الکامل: 109/12، 121، 155، و مفرج الکروب: 108/2، والسلوك: 146/1-149. [2] مفرج الکروب: 148/3، و الکامل: 190/12، والسلوك: 196/1. [3] مفرج الکروب: 162/2، و الکامل: 194/12، و السلوك: 197/1.

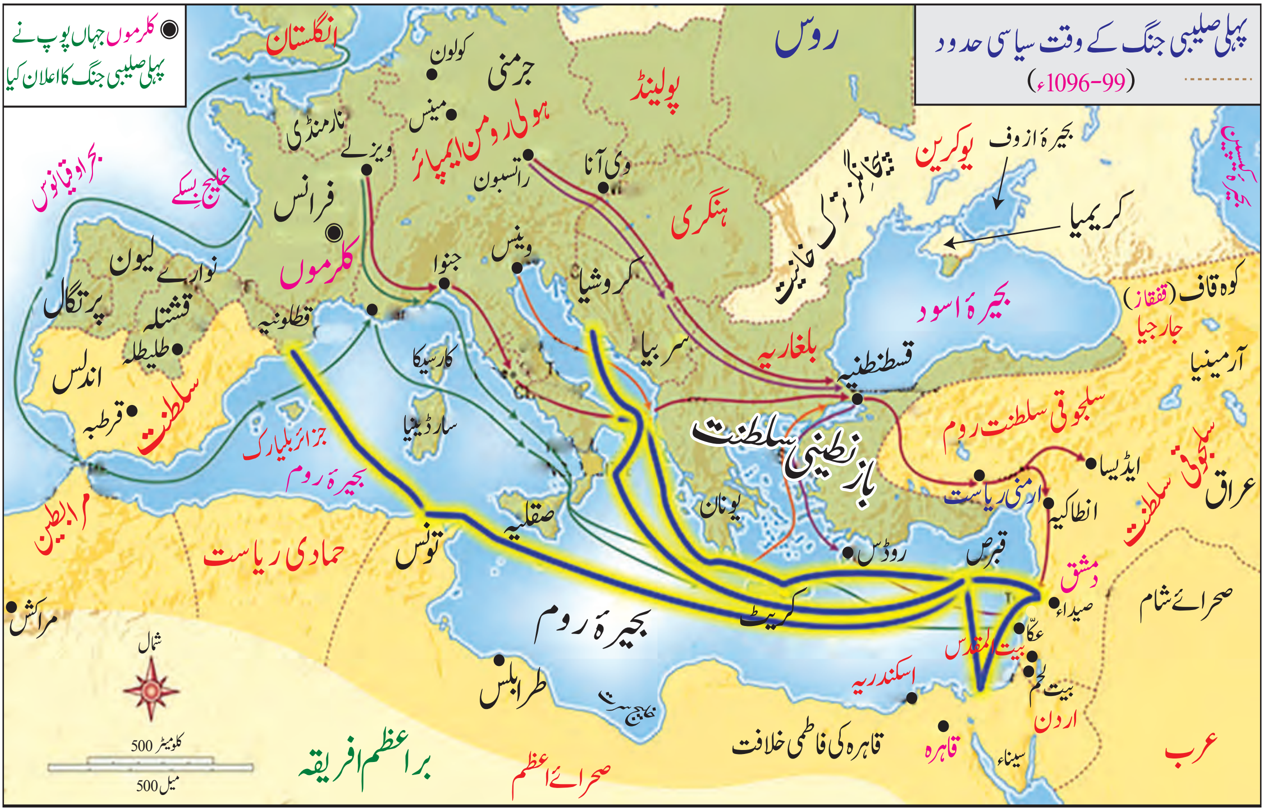

صلیبیوں کا پانچواں حملہ مصر پر

614ھ میں پانچویں بار صلیبی لشکر شام کے ملک پر سمندر کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ یہ لشکر جرمنی، قبرص، ہنگری، آسٹریا، اٹلی اور دوسرے یورپی ممالک سے آیا تھا۔ اس لشکر کو پوپ ہنری ثالث کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ اس لشکر کا پہلا پڑاؤ عکا تھا۔ یہ شہر بیت المقدس کے علامتی بادشاہ ''حنا جان ڈی برین'' کا دارالحکومت تھا کیونکہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ جب حملے کے لیے لشکر مکمل ہوگیا تو اس نے شام کے بعض مقامات پر مسلمانوں سے جھڑپیں شروع کر دیں لیکن اس کے منصوبہ سازوں کا ارادہ یہی تھا کہ یہ لشکر مصر جائے گا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ وہ بیت المقدس پر اس وقت تک قبضہ نہیں کر سکتے جب تک اس کے دفاع کے لیے مصر میں مسلمانوں کی قوت موجود ہے۔ صلیبیوں کے جہاز افواج اور سامان لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اس وقت الملک العادل کی حکومت تھی اور اس کا بیٹا ''الکامل'' اس کی طرف سے انتظامی معاملات سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ جہاز صفر 615ھ میں پہنچے اور دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں کو

یورپ سے مسلسل کمک آرہی تھی۔ انھوں نے شہر کے دفاعی انتظامات کو بے کار کرنے کے لیے خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے کئی قسم کا اسلحہ استعمال کیا، اس کے باوجود وہ نو ماہ تک اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ محاصرے کے دوران میں سلطان عادل فوت ہوگیا اور کامل مقابلے میں ڈٹا رہا، حالانکہ اس کے لشکر میں کچھ بے چینی پیدا ہورہی تھی۔ [1]

آخرکار نو مہینے بعد رمضان 616ھ میں شہر پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا۔ انھوں نے شہر کا دفاع کرنے والوں کا قتل عام کیا اور جامع مسجد کو گرجے میں تبدیل کر دیا، منبر کو توڑ دیا اور اس کے ٹکڑے تحفے کے طور پر یورپ کے بادشاہوں کو بھیجے۔ انھوں نے قریبی بستیوں میں تباہی پھیلانی شروع کر دی۔ [2]

سلطان ''کامل'' نے قاہرہ کی طرف صلیبیوں کی پیش قدمی روک دی اور فوراً منصورہ کا شہر آباد کیا تاکہ اسے اپنا مرکز بنائے اور صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والی فوجیں وہاں ٹھہریں۔ شام وغیرہ کے مسلمان حکمرانوں کو احساس ہوا کہ مصر پر صلیبیوں کا قبضہ بہت خطرناک ثابت ہوگا، چنانچہ انھوں نے سلطان عادل کی مدد کے لیے فوراً لشکر بھیج دیے۔ بہت سے سردار جہاد میں خود شریک ہونے کے لیے آ پہنچے۔ مختلف اسلامی شہروں سے بہت سے رضاکار بھی آگئے جنھوں نے اکثر اوقات دشمن کو باقاعدہ فوج سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا۔ [3]

---

[1] الكامل: 350/12، و مفرج الكروب: 270/3، 15/4، و السلوك: 223/1، و تاريخ الوطن العربي: 204.

[2] الكامل: 326/12، و مفرج الكروب: 32/4، و البداية والنهاية: 95/13. [3] الكامل: 327/12، و مفرج الكروب: 92/4-95، و البداية و النهاية: 95/13.

قاہرہ میں مسجد سلطان حسن

اس سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی اور فرنگی صلیبیوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اس دوران میں دمشق کے گورنر نے بیت المقدس کی قلعہ بندیاں اس ڈر سے توڑ ڈالیں کہ صلیبی ان پر قبضہ کر کے ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو اس سے بہت غم ہوا اور ان کی اکثریت شہر چھوڑ گئی۔ الغرض مسلمانوں اور صلیبیوں میں جنگ جاری رہی۔ بعض مسلمان مجاہدین دریائے نیل میں صلیبیوں کے جہاز چھین لیتے یا غرق کر دیتے تھے۔ مسلمانوں کے بحری بیڑے نے بھی دشمن کے متعدد جہازوں پر قبضہ کیا جو فوجیوں اور ہتھیاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی اور وہ مسلمانوں سے صلح کرنے کے لیے ایلچی بھیجنے لگے۔ دمشق کا سلطان صالح اسماعیل تو یہاں تک پیشکش کر چکا تھا کہ وہ بیت المقدس سے بھی اور صلاح الدین کے فتح کیے ہوئے تمام مقامات سے بھی

دست بردار ہونے کو تیار ہے بشرطیکہ وہ مصر کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں لیکن وہ تکبر میں آ گئے اور مزید قلعوں اور شہروں کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ بیت المقدس کی قلعہ بندیاں تعمیر کرنے کے لیے مسلمان تین لاکھ دینار ادا کریں، چنانچہ بعض مجاہدین اور کمانڈروں کی حوصلہ افزائی سے سلطان کامل نے یہ مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مسلمانوں نے ان صلیبیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا جو قاہرہ تک پہنچنے کے لیے مصر میں جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تھے۔ یہ وقت دریائے نیل میں پانی چڑھنے کا تھا۔ بعض مسلمان فدائیوں نے عیسائیوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھی۔ جب وہ اس نشیب میں پہنچے جو مسلمانوں کو معلوم تھی تو ان فدائیوں نے کچھ مقامات سے بند توڑ کر نیل کا رخ صلیبیوں کی لشکر گاہ کی طرف پھیر دیا۔ انھیں تب پتا

چلا جب وہ ہر طرف سے پانی میں گھر چکے تھے اور کوئی نقل وحرکت کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس وقت وہ نہ خشکی میں تھے، نہ سمندر میں کیونکہ ان کی سب جگہیں تالاب بن چکی تھیں اور وہ اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں پانی نے انھیں دمیاط کی چھاؤنی تک پہنچنے سے بھی روک دیا تھا۔ تب صلیبیوں کو شکست اور ذلت کا احساس ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ انھیں مصر سے نکل جانے دیں اور ان کی کوئی شرط نہیں ہے۔

مسلمان اس بارے میں متردد تھے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمارے قابو میں دے دیا ہے، لہٰذا انھیں امان نہیں دینی چاہیے بلکہ انھیں چاہیے کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔ دوسرے حضرات خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ انھیں کمک پہنچ سکتی ہے یا انھیں چھڑانے کے لیے یورپی اقوام انتقامی طور پر حملہ آور ہو سکتی ہیں۔

آخر مسلمانوں نے انھیں اس شرط پر امان دے دی کہ وہ مصر سے نکل جائیں۔ انھوں نے مزید یہ شرط لگائی کہ وہ شاہی خاندان میں سے بیس افراد کو ضمانت کے طور پر مسلمانوں کے حوالے کریں تاکہ مسلمانوں کو ان کے چلے جانے کا یقین ہو جائے، چنانچہ ان کے گرجا کے بیس عہدے دار (کارڈینل) رہن رکھے گئے۔ ان کے ساتھ وہ شخص بھی تھا جو اس حملے میں پوپ کا ذاتی نمائندہ تھا۔ ان کے علاوہ عکا کا بادشاہ بھی اور کچھ نواب (Counts) اور سردار بھی رہن رکھے جانے والوں میں شامل تھے۔ سلطان کامل کا ایک بیٹا ان کے سپرد کیا گیا تاکہ انھیں تسلی رہے کہ ان کے رہن شدہ افراد بعد میں واپس کر دیے جائیں گے، چنانچہ 19 رجب 618ھ کو صلیبیوں نے دمیاط کا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور فرنگی صلیبی کوچ کر گئے۔ اس کے بعد فریقین کے رہن شدہ افراد واپس کر دیے گئے۔ [1]

اس طرح مسلمانوں کے مقامات، بالخصوص بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں جانے سے بچ گئے۔ اس حملے کی ناکامی صلیبی کوششوں پر ایک بہت بڑی اور تکلیف دہ ضرب تھی لیکن دوسری طرف اس سے سلطان کامل کے دل میں صلیبیوں سے ایک طرح کا خوف پیدا ہو گیا اور وہ ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت تبدیل کرنے لگا۔ اس نے ان کے بعض بادشاہوں سے پرامن تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے ان کے ساتھ اس کا رویہ بدل گیا۔

---

[1] الکامل: 330/12، و البدایة والنهایة: 95/13، و مفرج الکروب: 4/96-99، و السلوك: 245,244/1.

سلطان کامل بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے کرتا ہے

صلیبیوں نے کامل سے معاہدہ کرلیا تھا جس کے مطابق انھوں نے مصر کے علاقے خالی کر دیے اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اسلامی سرزمین پر حملے نہیں کریں گے لیکن خود معاہدہ کرنے والا ''جان ڈی برین'' جو بیت المقدس کا علامتی بادشاہ تھا، وہ یورپ گیا تاکہ عیسائیوں کو اسلامی ممالک پر نیا حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے۔ یہ چھٹا صلیبی حملہ کہلاتا ہے۔ اس کی قیادت جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دوم کر رہا تھا۔ یہ حملہ 625ھ مطابق 1228ء میں ہوا۔ مہم پر روانہ ہونے سے پہلے پوپ انوسنٹ سوم سے اس کا اختلاف ہوگیا۔ اس وجہ سے پوپ نے بادشاہ کے خلاف دین سے اخراج کا فرمان جاری کر دیا۔ اس کے ردعمل میں اسے غصہ آیا اور اس نے حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تاکہ وہ پوپ اور اس کے فرمان کو غلط ثابت کر سکے۔[1]

جرمن بادشاہ فریڈرک ثانی ملک الکامل ایوبی سے ملاقات کرتے ہوئے

فریڈرک دوم کا سلطان کامل سے ایک قسم کا ڈپلومیٹک تعلق قائم تھا جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک اپنے مقامی مخالفین کے خلاف ایک دوسرے سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ علاوہ ازیں جرمنی کا بادشاہ اسلام اور اس کی تعلیمات سے اچھی طرح واقف تھا اور اسلام کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ عربی زبان میں بھی مہارت رکھتا تھا اور عربوں کی ثقافت سے باخبر تھا۔ اسی وجہ سے صلیبی اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمانوں سے متعارف ہونے کی وجہ سے وہ عیسائیت میں پاپائیت اور پادریوں کے طبقات و درجات کے نظام کے بارے میں کسی قدر ناپسندیدگی کے جذبات رکھتا تھا۔

فریڈرک اپنے بحری بیڑے لے کر شام پہنچا اور عکا اور اس کی قلعہ بندیوں پر قابض ہوگیا۔ اس نے

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة:252.

سلطان کامل کو کچھ تحائف بھیجے اور خطوط لکھے۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ خون ریزی کے بغیر امن و امان کے ساتھ بیت المقدس حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کامل کے لیے انکسار کا اظہار کیا اور اس سے شفقت کرنے کی درخواست کی۔ بتایا کہ بیت المقدس کے حصول سے اس کا مقصد محض پوپ کے جاری کردہ فرمان کو غلط ثابت کرنا ہے۔ فریڈرک ایک چالاک سیاست دان تھا۔ اس نے کہا: ''اگر فرنگی قوم میں میری عزت پر حرف نہ آگیا ہوتا تو میں سلطان سے ایسی کوئی درخواست نہ کرتا۔ مجھے یروشلم وغیرہ سے کوئی غرض نہیں، میں تو صرف ان میں اپنی عزت محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔'' [1]

اگرچہ بادشاہ فریڈرک کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، اسے پوپ یا یورپ کی طرف سے مکمل تعاون بھی حاصل نہیں تھا۔ اسے یہ امید بھی نہیں تھی کہ عیسائی اسے مزید فوج مہیا کریں گے لیکن سلطان کامل نرم ہو گیا اور مسلمان علماء کی سخت تنقید کے باوجود اس نے جنگ بندی کے بارے میں عیسائی بادشاہ سے اتفاق کر لیا۔ اس سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے فلسطین میں ساحلِ سمندر پر صلاح الدین کے کچھ مفتوحہ علاقے فریڈرک کے سپرد کر دیے گئے۔ معاہدے کی اہم ترین شرط یہ تھی کہ ''بیت المقدس اس کے حوالے کیا جائے گا اور اسے وہاں سے سمندر تک راہداری بھی دی جائے گی۔ [2] اس کے عوض وہاں کوئی حفاظتی تعمیرات نہیں کی جائیں گی۔ اس کی فصیلوں اور قلعوں کی مرمت نہیں کی جائے گی۔ اس کے اردگرد کے علاقوں میں فرنگیوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا، مسلمان بیت المقدس میں آباد رہیں گے۔ فریڈرک کے ساتھ مسلمانوں کا بھی ایک گورنر وہاں موجود رہے گا۔ حرم کا خطہ، بشمول صخرہ و مسجد اقصیٰ، مسلمانوں کے قبضے میں رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور کوئی صلیبی فرنگی وہاں زیارت کے سوا کسی اور مقصد سے داخل نہیں ہوگا۔''

جنگ بندی ہوگئی۔ معاہدے کے مطابق کامل نے بیت المقدس سے دست بردار ہو کر اسے فریڈرک کے حوالے کر دیا (یہ پہلی دست برداری ہے)۔ اس نے اس اقدام کی وجہ یہ بتائی کہ یہ سیاسی اقدام ہے اور فریڈرک کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا اور پاپائیت کے خلاف اس کی مدد کرنا مقصود ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ فریڈرک اسلام سے اور مسلمانوں سے محبت رکھتا ہے۔ اسلامی علوم اور اسلامی تمدن سے دلچسپی رکھتا ہے، نیز اس کے نتیجے میں اندرونی دشمنوں سے یکسو ہو کر نبٹا جا سکے گا۔ اس قسم کے مزید عذر بیان کیے جس طرح آج کل کے سیاست دان باتیں بنا لیتے ہیں۔

---

[1] مفرج الكروب:243/4. [2] الكامل:482/12، و البداية والنهاية:124,123/13، و السلوك:268/1، و تاريخ الحروب الصليبية:253.

جس بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین نے خون دے کر اور اسلحہ کے زور پر دشمنوں سے چھینا تھا، اس کے بارے میں ''کامل'' کے غیر دانش مندانہ اقدام کے نتیجے میں تمام مسلمانوں میں غم واندوہ چھا گیا۔

''جب قدس میں اعلان کیا گیا کہ مسلمان نکل جائیں اور بیت المقدس کو فرنگیوں کے حوالے کر دیں تو وہاں کے باشندوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں کے لیے یہ غم ناقابل برداشت تھا۔ انھیں بیت المقدس کے چھن جانے کا شدید غم تھا۔ انھوں نے کامل کے اس اقدام پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے اس کا انتہائی گھناؤنا اقدام قرار دیا کیونکہ اس مقدس شہر کی فتح اور اسے عیسائیوں سے آزاد کرانا اس کے چچا سلطان صلاح الدین کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔'' [1]

بیت المقدس سے دست برداری کے بعد علمائے کرام نے عوام میں تحریک پیدا کی کہ وہ اسے واپس لینے کے لیے اپنے سرداروں پر دباؤ ڈالیں۔ بہت سے علماء کے مستقل علمی حلقے قائم تھے۔ انھوں نے دروس میں بیت المقدس کے فضائل اور جہاد کے فضائل کو مرکزی موضوع بنا لیا۔ [2]

بعض افراد نے اس حادثے کے بارے میں شعر کہے جن میں ''کامل'' پر تنقید کی اور عوام وخواص کو بیت المقدس واپس لینے کے لیے جدوجہد کرنے کی ترغیب دی۔ دمشق کی جامع مسجد میں بھی کامل پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے عوام کو متحرک کرنے کے لیے اجتماعات اور دروس مسلسل جاری تھے۔ ان میں اس مقصد کے لیے اشعار پڑھے جاتے تھے، مثلاً ایک شاعر نے اپنے قصیدے میں کہا:

عَلٰی قُبَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالصَّخْرَةِ الَّتِي ... تُفَاخِرُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ صَخَرَاتِ

مَدَارِسُ مِنْ اٰيَاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلَاوَةٍ ... وَ مَنْزِلُ وَحْيٍ مُّقْفَرُ الْعَرَصَاتِ

''معراج کا وہ گنبد اور وہ صخرہ جو زمین کے تمام صخروں (چٹانوں) پر فخر کرتا ہے، وہاں قرآن کے مدارس تلاوت سے خالی ہو گئے اور وحی نازل ہونے کا مقام اور اس کے صحن ویران پڑے ہیں۔''

اس کے بعد فریڈرک بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس نے ملک کامل کے ایک وفد کے ہمراہ اس کا دورہ

---

[1] مفرج الکروب: 243/4. [2] مفرج الکروب: 246/4، مقریزی نے ان حالات اور علماء کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سلطان کے حکم سے القدس میں اس سے مسلمانوں کے نکل جانے اور اسے فرنگیوں کے حوالے کرنے کا اعلان کر دیا گیا، چنانچہ شدید گریہ کیا گیا، سخت چیخ پکار اور رونا دھونا مچ گیا۔ القدس کے ائمہ اور مؤذنین ''کامل'' کے کیمپ کے گرد جمع ہو گئے اور اذان کا وقت نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے خیمے کے دروازے پر (بطور احتجاج) اذانیں دینے لگے جس سے اسے سخت پریشانی ہوئی۔''

کیا۔ اس یورپی بادشاہ نے شروع شروع میں مسلمانوں کے لیے کچھ احترام کا مظاہرہ کیا لیکن دوسرے صلیبیوں کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہر پر اس طرح کے قبضے سے خوش نہیں کیونکہ وہ تو شہر سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ چاہتے تھے۔ وہ اسے صرف مذہبی خطہ نہیں بلکہ فوجی اڈا بنانا چاہتے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ واپس اپنے ملک چلا گیا اور اس نے کامل کے ساتھ خط کتابت کی صورت میں دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ [1]

فریڈرک اپنی قوم کے لیے مکر وفریب کے ذریعے سے وہ کچھ حاصل کر چکا تھا جو اس کے پیش رو تلوار کی طاقت سے حاصل نہ کر سکے تھے۔

ایوبی خاندان کی صلیبیوں سے آخری ٹکر

بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد یورپ اپنے کچھ اندرونی مسائل میں الجھا رہا۔ عالم اسلامی، خاص طور پر شام میں سلطان کامل کی وفات (635ھ) سے پہلے اور بعد میں ایوبی خاندان میں چھوٹے چھوٹے اختلاف چلتے رہے۔ سلطان کامل نے بادشاہ فریڈرک سے جو دس سالہ معاہدہ کیا تھا، وہ قائم تھا۔ اہل یورپ نے معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی ایک نئے صلیبی حملے کی تیاری کر لی تھی تاکہ اس دفعہ طاقت کے بل پر بیت المقدس حاصل کیا جائے۔ اردن کے علاقے کے ایوبی اُمراء کو جونہی یہ خبر ملی، الملک الناصر (داؤد) اپنے ساتھ الملک الصالح (نجم الدین ایوب) کی فوج کا ایک حصہ لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوگیا۔ صلیبیوں نے مسلح ہو کر وہاں ایک قلعے کو اپنی محفوظ پناہ گاہ بنا لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ امر سلطان کامل کے ساتھ طے شدہ شرائط کے خلاف تھا۔ 637ھ میں سلطان ناصر اس قلعے تک جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے اس پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق نصب کر دی۔ انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور سلطان نے انھیں امان دے دی۔ اس نے انھیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دی، پھر اس نے وہ قلعہ منہدم کر دیا جسے فرنگیوں نے محفوظ بنا رکھا تھا۔ بیت المقدس واپس ملنے سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ کامل کی دست برداری کے بعد یہ مقدس شہر دس سال صلیبیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ [2]

صلیبی غزہ کے قریب جمع ہوئے لیکن مسلمانوں کے لشکر نے انھیں کسی کارروائی کا موقع نہ دیا بلکہ الملک الصالح (ایوب) کے ایک سردار کی قیادت میں حملہ کر کے انھیں شکست دے دی۔ [3]

---

[1] مفرج الکروب: 246/4، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 254. [2] مفرج الکروب: 246/5، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 262. [3] مفرج الکروب: 268/5، و النجوم الزاهرة: 324,323/6، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 262، و الجبهة الإسلامیة في عصر الحروب الصلیبیة: 267/2.

دریں اثنا بنو ایوب کے امراء میں اختلافات بڑھ گئے، بالخصوص دمشق کے حاکم ”صالح اسماعیل“ اور مصر کے حاکم ”صالح ایوب“ میں اختلافات زیادہ شدید تھے۔ اسلامی افواج بھی ان دونوں کی حمایت میں